

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله على توفيق الله لي في رسالہ ہدایت انتماء و تقارن شد ابتداء بحث حجت قبلہ مقام صلی اللہ علیہ وسلم

قبل

194A 1A

الہجہ
روحی علوم
من عجیبین کہیں
تنگ کے سوا

تجلی ریز بدیهیات شمس العلوم حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب صانعوں طاب ثانی

مجله علمی و ادبی

بہارِ خیر خیر فرمائی کیا تو نہ پڑی
بہارِ خیر خیر فرمائی کیا تو نہ پڑی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولنا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ من تبعہم
 الیٰ یوم الدین ؎ بعد حمد و صلوٰۃ بندہ ہیچران سراپا گناہ محمد قاسم ناظرین اوراق کی خدمت میں عرض پرواز ہے۔
 بارہ سو چالیس بجے پوری آغری میں ہندت ویا شد صاحب نے ٹکی میں آکر سرباز جمع عام میں مذہب اسلام پر چند اعتراض کیے
 حسب الطلب بعض احباب اور نیز بہ تقاضا سے غیرت اسلام یہ ننگ اہل اسلام بھی مشروع شعبان میں وہاں پہنچا اور آکر روک
 مناظرہ میں سولہ ستر روز وہاں ٹھہرا رہا۔ بہر حال چاہا کہ مجمع عام میں ہندت جی سے اعتراض سنوں اور بالمشافہہ بہ عدالت
 خداوندی اسی وقت اُنکے جواب عرض کر دینا مگر ہندت جی ایسے کا ہے کہ تھے جو میدان مناظرہ میں آتے۔ جان چرانے کے لیے
 وہ وہاں کھیلے کہ کاہنے کو کبھی سوچتے ہیں۔ اعتراض تو مجمع عام میں کیا کیے پر مناظرہ میں اپنی قلعی کھلنے کا وقت آیا تو
 ہچاس آدمیوں سے زیادہ پردازی نہ تھے۔ وجہ پوچھی تو انہیں نہ سادہ زبان تھا مگر پہلے مناظرہ کی نظیروں کا کچھ
 جواب نہ سننا انتظام سرکاری پر کچھ اعتراض ٹھاسنے کے لیے دعویٰ بلا دلیل سے مطلب تھا۔ رمضان کی آمد آمد انکو بھی معلوم
 تھی۔ اہل سوچ سے یہ امید تھی کہ کچھ اور دن ٹھہریں تو یہ لوگ آپ ٹل جائیں گے۔ ایسے منتیں کہیں غیرت میں دلائل جھپٹیں کہیں
 سعید کراہیں۔ مگر وہاں وہی نہیں کی نہیں رہی۔ مجمع عام کی جادہ شوریٰ تو سرتک آئے مگر اپنے مکان تنگ کے سوا
 اور کہیں نہ جی ہوئے۔ وقت جمع کے بدلے چھ بجے شام کے ٹھہرائی۔ کمی وقت کی شکایت کی تو نو بجے تک کی اجازت
 آئی مطلب یہ تھا کہ ہماری فرودگاہ سے بلکہ شہر سے انکا مکان ڈیڑھ میل پر تھا۔ نہ بجے فانی ہو کر چلے تو دس بجے پہنچے باپک
 گنہ میں نہایت سے فانی ہوئے۔ اُن وقت نہ بازار کھلا ہوا نہ کھانا مول بچے نہ خود پکانے کی بہت جو دیں اپنا انتظام کچھ عطا
 برین برسات کا موسم مینہ برس گیا تو اور بھی اسکی رحمت ہو گئی۔ عرض اُنکی یہ عرض تھی کہ۔ ایک تنگ ہو کر چلے جائیں اور
 ہم بیٹھے ہوئے غلین بجائیں پھر اس پر غریب و فقیر کی شاخ اور اوپر لگی ہوئی غرض کچھ تو بوجہ نماز مغرب وقت نہ کہ میں گنہگار
 کم تھی یہی ہے اس مذہب سے گئی گدزی۔ مگر جب بنام خدا ہے ان سب باتوں کو سر رکھا تو منجھان شرائط کے اُنکے مکان
 پر مناظرہ ہونے کو سرکار نے اُدا دیا حکام وقت نے قطعاً ممانعت کر دی۔ کہ سرحد چھاؤنی اور ٹڈکی میں مناظرہ ہونے پائے
 اور اس سے خارج ہو تو کچھ ممانعت نہیں۔ اس پر میں میدان عید گاہ وغیرہ میں ہندت جی سے التماس قدم نہ فرمائی کیا تو نہ ہوا
 لو اپنے دن نظر آئے۔ اور سوائے انکار اور کچھ نظر نہ آیا۔ لاچار ہو کر مجھے یہاں کہ اپنے اعتراض جی بھیج دنا کہ ہم ہی مجمع عام میں

انکے جواب سنا دیں۔ اور مرضی ہو تو آؤ مناظرہ تحریری ہی ہے۔ مگر جواب تو درکنار پنڈت جی نے اپنی راہ لی۔ شکرم پٹھان
وہ ہا مجبور ہو کر یہ ٹھہرائی کہ جو انکے اعتراض سننے والوں سے سنے بین انکے جواب مجمع عام میں سنا دیں مگر چونکہ یہ بات کا
جلسہ میں ممکن نہ تھی۔ اس لیے حکومت بارہ توحید و رسالت وغیرہ ضروریات دین و اسلام بھی کچھ عرض کرنا تھا۔ اور بوجہ ہجوم بارش و خزا
راہ و قرب رمضان شریف زیادہ ٹھہرنے کی گنجائش نہ تھی۔ ایک جلسہ میں تو ان تین اعتراضوں کے جواب سناے جو سب میں شک
تھے۔ اور دو جلسوں میں توحید و رسالت کا ذکر کے شبابست و سوم ماہ شعبان کو ٹرکی سے روانہ ہوا۔ اور ایک دن ٹنگور اور دو غور
دیوبند ٹھہر کر تائیسویں کو اس غصہ ویرانہ میں پہنچا جس کو نانوہ کہتے ہیں۔ اور اس خاکسار کا دلن بھی ہی ہو۔ یہاں اگر یہ چاہا کہ
خدا اور بارہ اعتراضات پنڈت جی صاحب اپنے امامہ مکھن کو پورا کروں یعنی انکے جوابوں کو لکھ کر نذر احباب کروں۔ تاکہ آنگو
اس نامہ سیاہ کے حق میں دعا کا ایک بہانہ ملے۔ اے خدا تعالیٰ کی عنایت اور رحمت اور مغفرت کو اپنی کارگزاری کا حق
ملے۔ مگر اچھ نہ کہ خدا تعالیٰ نے میرا ارادہ پورا کیا۔ اور میری فہم نارسل کے اندازہ کے موافق اعتراضات مذکورہ کے جواب
مکمل سمجھائے۔ اب اول اعتراضات عرض کرتا ہوں۔ اور ان کے ساتھ انکے جوابات عرض کرتا ہوں۔

اعتراض اول مسلمان بننے والے کو بت پرست کہتے ہیں۔ اور آپ خود ایک مکان کو سجدہ کرتے ہیں۔ حسین بیٹے
بت پرست ہیں۔ جو مسلمان جواب دیتے ہیں وہی بعینہ بت پرست کہہ سکتے ہیں اس لیے مسلمان بھی بت پرستوں سے حکم نہیں
جواب افسوس ہزار افسوس پنڈت دیانند صاحب کے کمالات کا ہندوؤں میں ایک غواہی۔ اعتقاد کی یقین نام
کی جگہ تہمت پرستی ہی زبان پر آ گیا۔ مگر اسپر پنڈت جی کا یہ حال ہے کہ آسمان کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ استقبال کعبہ
اور بت پرستی کو برابر کر دیا۔ اگر خود پنڈت جی کو ایسی باتوں میں فرق کرنا نہیں آتا تو یہ شہر و کمال کس خیال پر مبنی ہے۔ اور اگر
دیہ و مدائن سے یہ حال ہو تو پھر اور کچھ احتمال ہے میں کیا عرض کروں (عافلان خود میدانند) بغرض تو شیخ خلیفہ الحال
چند باتیں جس سے یہ علوم ہو جائے کہ استقبال کعبہ اور بت پرستی میں فرق زمین و آسمان ہو ان اوراق میں عرض کرتا ہوں شاید
کوئی صاحب فہم و انصاف مان جائے۔ اور پنڈت جی کی خرابی راسے پر مطلع ہو کر کچھ اور فکر آخرت کو پہلے
اول نقطہ استقبال کعبہ اور غلط بت پرستی ہی اسپر شاہ ہے کہ بت پرست کہ توبہ الی الکعبہ کے ساتھ کہتے ہیں کہ بت پرست
نقطہ اول کا مفہوم فقط اتنا ہے کہ کعبہ کی طرف منہ ہو۔ اور بت پرستی کا حال یہ ہے کہ بت مسمود ہوں۔ مان اگر اہل اسلام
بھی دعویٰ کعبہ پرستی کرتے تو پھر پنڈت جی کا اعتراض بجا تھا۔ مگر اہل اسلام میں سے جس سے چاہو پوچھو دیکھو مفہوم کعبہ
پرستی سے واقف ہی نہیں شہر چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا۔ بین تفاوت رہ از کجاست تا کجا۔

و سو سہرا اہل اسلام کے نزدیک کعبہ کی طرف منہ ہونا چاہیے۔ نیت استقبال کی بھی ضرورت نہیں چاہیے بلکہ ارادہ عبادت
البتہ خدا کی عبادت کی نیت اور اس کا ارادہ ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر وہ نماز اہل اسلام کے نزدیک معتبر نہیں ہے
صاف ظاہر ہے کہ اہل اسلام خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ کعبہ کی عبادت نہیں کرتے۔ اور بت پرستی کے لیے ارادہ اور نیت

ت و پیش نشین شرط ہو۔ اگر میری اس گزارش میں شک ہو تو پوچھ دیجیے۔ ہندوستان ہنوز آباد ہے۔ ہندو بابت پرست ہو
 ی مگر اہل عقل کو نہ پوچھنے کی ضرورت نہ کیسے بتلانے کی حاجت (دعایاں در اچہ بیان)۔ میں تفلوت رہ انکجاست تاکجا۔
 سے نماز کے شروع سے لیکر آخر تک کوئی لفظ مشعر تعظیم کعبہ نہیں آتا۔ ہر لفظ اور ہر فعل خدا کی تعظیم پر دلالت کرتا
 ہے۔ اول تو دست بستہ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتے ہیں۔ جس میں موافق صورت حالی خدا کی بڑائی اور کبر پائی کا بیان ہے۔ پھر
 الحمد للہ من خدا کی پاکیزگی اور ستودگی اور برکت اور علو شان اور توحید کا ذکر ہے۔ پھر اعوذ باللہ من خدا تعالیٰ سے
 بات کی استعاہوتی ہو کہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے۔ پھر بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک سے مدد مانگی
 جاتی ہے۔ اسکے بعد الحمد پڑھتے ہیں۔ اس میں اول خدا تعالیٰ کی تعریف اور اسکی ترتیب علم اور اسکی رحمت عامہ اور خاصہ
 اور اسکی مالکیت اور اختیار جزا و سزا کا ذکر کر کے خدا سے ہدایت کی دعا مانگی جاتی ہے اسکے بعد قرآن میں سے کچھ پڑھا جاتا ہے
 تاکہ اس حکمنامہ خداوندی کی قرارت و سماعت سے جو امام و منفو بکمال ادب کرتے ہیں یہ ظاہر ہو جائے کہ ہم ہر طرح خدا تعالیٰ
 کے مطیع فرمان ہیں۔ اور اسلئے اسکے بعد رکوع اور سجدہ سے دعا کیے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ قرارت و سماعت مثل انسا ز خوانی نہ ہو جا
 یاقرارت کتب زبانی نہ سمجھی جائے۔ یعنی اول رکوع میں جسکی صورت یہ ہے کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھک کے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس
 ہیئت سے اپنی حقارت کے اظہار کے بعد چند بار یہ پڑھتے ہیں سبحان ربی العظیم جسکے معنی یہ ہیں پاک ہے سب خدایوں اور عیون
 اور برائیوں سے میرا رب جو بڑی عظمت والا ہے۔ اسکے بعد کھڑے ہو کر سمیع اللہ من حمد کہتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ
 کی تعریف کرتا ہو اللہ اسکی سنتا ہو۔ پھر اسکے بعد سجدہ کرتے ہیں جسکی صورت یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹیک کر آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ
 سر آگے بچھ میں اپنی پیشانی رکھ دیتے ہیں۔ اور اسوقت اس ہیئت سے اپنی پستی اور ذلت و خاری اور خاکساری کے اظہار کے
 بعد زبان سے یہ کہتے ہیں سبحان ربی الاعلیٰ جسکا حاصل یہ ہے کہ پاک ہے سب عیون اور برائیوں سے میرا رب جو بلند رتبہ والا ہے
 اور سب میں بلند ہے۔ اور اس اثنا میں رکوع میں جاتے وقت اور سجدہ میں جاتے وقت اور سر اٹھانے کے وقت وہی اللہ اکبر کہتے
 ہیں جسکے معنی اہل مرقوم ہو چکے ہیں۔ اور دونوں سجدہ و نیکے سجد میں دعا ہے مغفرت و رحمت و ہدایت و رزق و جبر نقیاب
 بھی کہیں کر لیتے ہیں۔ اسکے بعد پھر اللہ اکبر کہہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بدستور سابق اکھ اور کچھ قرآن اور کورع اور دو سجدا
 ادا کئے جاتے ہیں۔ اور پھر دوزن و مویوب بیٹھ کر اسکا اظہار کیا جاتا ہے کہ تعلیمات قلبی اور عبادت بدنی اور مالی کا ستحق خدا
 ہی ہے۔ اسکے بعد بغرض مکافات ہدایت و رہبری حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام سلام اور دعا
 رحمت و برکت عرض کر کے اپنے لیے اور سب خدا کے فرمانبرداروں کے واسطے دعا ہے سلام عرض کر کے پھر رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی واسطے دعا کرتے ہیں۔ اور پھر اسکے بعد اپنے لیے اور اپنے مان باپ کے لیے اور تمام اہل اسلام کے لیے دعا ہے مغفرت
 و ہدایت و غیر ضروریات دینی کر کے نماز کو ختم کرنے کے لئے دین بائیں طرف منکر کے اسلام علیکم در حمتہ اللہ کہہ کر فانی ہو جاتے ہیں
 اور اگر نماز کو اور طویل دینا مقصود ہو تو اس جلسہ میں دعا و رونا نہیں پڑھتے۔ بعد بیان استحقاق عبادت و عرض سلام اللہ اکبر

کثرت ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے سابق ارکان مذکورہ ادا کئے جاتے ہیں۔ اور وقت اختتام بطور مذکور موعود ہوجھ کر عرض مذکور سے فراغ ہو کر درود دعا پڑھتے ہیں اور سلام بطور مذکور کہہ کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ مگر اس دین بائین طرف سلام پھیرنے میں اسکی طرف اشارہ ہو کر دقت نماز کو بامین اس عالم سے باہر چلا گیا تھا۔ اور ماسوی اللہ سے فراغ ہو کر اسکی درگاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اسکے بعد اب پھر آیا ہوں۔ اور موافق رسم آئینہ گان ہر کسی کو سلام کرتا ہوں۔ اسکے بعد پھر خدا کے سامنے اظہار عجز و نیاز کرتے ہیں۔ یعنی ہاتھ اٹھا کر اپنی آرزوئیں مانگتے ہیں۔ اور پھر فراغ ہو کر حسب توفیق خدا کی حمد و ثنا و تسبیح و تکبیر اور توحید کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر اٹھ کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ غرض اس بیان اجمالی سے یہ بھی کہ نماز میں اول سے آخر تک خدا ہی کی بڑائی اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور اپنی ذلت و خواری کا اسکے سامنے اقرار۔ خانہ کعبہ کا نام تک نہیں آتا۔ اور غیر خدا کی پرستش میں اول سے آخر تک اس غیر ہی کی بڑائی اور اسکی خوشامد ہوتی ہے۔ اور انہیں کے سامنے اپنی ذلت و خواری کا اظہار اور اقرار ہوتا ہے۔ بت پرستی میں لٹن پھرون اور مودتوں کی تعظیم ہوتی ہے جو جنگو اپنے آپ پہلو اور شب و غیر بنا لیتے ہیں اور گائیری میں آفتاب کی تعظیم ہوتی ہے اور آہیں پھرون وغیرہ کے سامنے اظہار عجز و نیاز ہوتا ہے۔ غرض بت پرستی کو نماز سے کیا نسبت (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) سے۔ بین تفاوت رہ از کجاست تا کجا مذکور بت پرستی کی بابائینی دیکھیے۔ نماز اور بت پرستی کو برابر کئے دیتے ہیں۔

چوتھے اہل اسلام کے نزدیک وقت نماز دیوار کا کعبہ کا مقابل ہونا شرط نہیں۔ مگر بالفرض وہ دیوار میں منہم ہو جائیں تو بھی نماز اس طرف کو ادا کریں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں جو حضرت ابوجعفر خلیفہ اول کے نواسے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچ پھرے بھائی کے فرزند تھے یہ اتفاق ہوا کہ انہوں نے بغرض تکمیل بنا رکعبہ بنا کر اول کو یہاں تک منہم کر دیا کہ بتوں کو کھڑا ڈالی اور پھر اسکے بعد نئے سرے سے بنوا فیم کر دیا اس اثنا میں نماز بہت قدیم جاری رہی۔ اگر دیوار کعبہ سجد اور موعود اور مقصود ہوتی تو اس زمانہ میں نماز موقوف رہتی بہت ہوتا تو یہ ہوتا کہ بعد تیسرا نام گذشتہ کے عبادت تھنا کی جاتی۔ اور بت پرستی میں ظاہر ہو کہ مقصود اور موعود اور سجد بت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شوالے یا سدر میں سے بتوں کو اٹھا کر کھین اور رکھ دین تو پھر سارے فرض دین ادا ہوتے ہیں۔ مکان اول کو کوئی نہیں پوچھتا ہے۔ بین تفاوت رہ از کجاست تا کجا۔

پانچویں خانہ کعبہ کو اہل اسلام بت اللہ کہتے ہیں۔ اللہ یا خدا نہیں کہتے۔ اظہار ہو کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو کمین مقصود ہوتا ہے۔ اس طرف کو آداب نیاز بجا لاتا ہے۔ تو اس آداب و نیاز کو شخص صاحب خانہ کے لئے سمجھتا ہے۔ غرض جیسے کسی تخت نشین کو اگر اس تخت کی طرف جھاک کر سلام کرتے ہیں تو وہ سلام صاحب تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں ہوتا۔ اور یہ بات اتنی ظاہر ہے کہ کسی دیوانہ کو بھی تر و نہیں ہوتا۔ ایسے ہی عبادت سمت بت اللہ کو خیال کیجئے اور دیدہ و دستہ دوسرے حلال پیدا نہ کیجئے۔ باوجود تفاوت بت اللہ بشرط فہم عقل اس جانب شیعہ ہو کہ خانہ مقصود نہیں۔ صاحب خانہ مقصود ہے۔ اور بت پرست اپنے بتوں کو خانہ خدا یا کر می خدا یا تخت خدا نہیں سمجھتے۔ یہاں یا شب یا گیش وغیرہ سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ ان بزرگوں کو بت پرستان ہندوستان پرستی سمجھتے سمجھتے

میں اس لئے بت پرستی میں وہ بھی مقصود ہوتے ہیں (ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا)

چھٹے اہل اسلام کے نزدیک سخی عبادت وہ ہے جو بذات خود موجود ہو۔ اور سوا اسکے اور سب اپنے وجود بقا میں اسکے محتاج ہوں۔ اور سب کے نفع و ضرر کا اسکو اختیار ہو اور اسکا نفع و ضرر کسی سے ممکن نہ ہو اسکا کمال و جمال و جلال ذاتی ہو۔ اور سوا اسکے سب کا کمال و جمال و جلال اسکی عطا ہو۔ مگر موصوف باہل و صف انکے نزدیک شہادت عقل و عقل سوا ایک خلت خداوندی کے لازم کوئی نہیں یہاں تک کہ انکے نزدیک بعد حساب میں فضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نہ کوئی آدمی انکی برابر نہ کوئی فرشتہ نہ عرش و کرسی انکے ہمسرہ نہ کعبہ انکا ہم پلہ نہ گریبانہ انکو بھی ہر طرح خدا تعالیٰ کا محتاج سمجھتے ہیں۔ ایک ذرہ کے بنائیکا انکو اختیار نہیں ایک تی برابر کسی نقصان کی انکو قدرت نہیں۔ خالق کائنات خود فاعل خاوا و افعال اہل اسلام کے نزدیک خدا ہے وہ نہیں اسی لئے کلمہ شہادت میں حسین و ابرار کلام ایمان ہو چیتے شہدین لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد اعبادہ و رسولہ خدایک قدرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عہدیت اور رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔ اس صورت میں اہل اسلام کی عبادت سوا خدا اور کسی کے لئے مقصود نہیں۔ مگر جوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوتی۔ مگر جب انکو بھی عہد ہی مانا معبود ہیں مانا۔ بلکہ انکی افضلیت کی وجہ انکی کمال عبودیت اور عہدیت کو قرار دیا تو پھر خانہ کعبہ کو انکا معبود اور مسجود قرار دینا بجز تہمت با کفر بھی و جہالت اور کیا ہو سکتا ہے۔ بلکہ بت پرستوں بلکہ اکثر ہنود کے طور پر خدا تعالیٰ کے استحقاق عبادت نہیں اگر ہیں تو مہادیو اور شین اور ہر جماعت میں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کو یہ صاحب الکرنا کہتے ہیں یعنی محل سمجھتے ہیں۔ اور عالم کے تمام کار و بار مہادیو وغیرہ کے اختیار میں سمجھتے ہیں۔ اور اسلئے ہر کسی کا نفع و ضرر بجلالی برائی کا مالک و مختار نہیں کو خیال کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عبادت اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے اور اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے یہ ضروری ہے کہ جسکی اطاعت کیجائے یا نہیں سے امید نفع ہو۔ یا اندیشہ نقصان۔ چنانچہ نوکر و نوکی اطاعت امید پر ہوتی ہے۔ اور محکوموں اور مظلوموں کی فرمانبرداری اندیشہ پر۔ بانی عہد و نوکی رضا جوئی میں۔ ہر چند نوکر و نوکی کی سی امید اور محکوموں اور مظلوموں کا سا اندیشہ نہیں ہوتا۔ مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ امید آرزو سے حصول امر محبوب کا نام ہے۔ اور اندیشہ زوال امر محبوب کے خوف کو کہتے ہیں۔ تو یہ قاعدہ ماستون کی فرمانبرداری میں بددہ لعلی نظر آتا ہے۔ باجملہ اطاعت کی بنا امید اور اندیشہ پر ہے۔ سو یہ دونوں بت پرستوں اور اکثر ہنود کے عقائد کے موافق مہادیو اور شین وغیرہ سے متعلق ہیں۔ خدا سے ان دونوں کو کچھ تعلق نہیں۔ اسلئے ہلازم ہے کہ انکے طور پر مہادیو وغیرہ تو مستحق عبادت ہوں اور خدا تعالیٰ کے استحقاق عبادت نہ ہو۔ غرض اہل اسلام کے طور پر خانہ کعبہ مستحق عبادت نہیں۔ اور اکثر ہنود کے خیالات کے موافق بت پرستی عبادت ہیں۔ کیونکہ وہ بزعم خود انکو مہادیو وغیرہ سمجھتے ہیں اس لئے کعبہ کو معبود و معبود کہنا غلط ہوگا۔ بلکہ سمت سجدہ اور جانب سجدہ و عبادت کہنا پڑے گا۔ اور بتوں کو خود معبود اور سجدہ کہنا لازم ہوگا۔ (ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا)

ساتویں فصل کبھی فاسل کی کسی کیفیت کا تابع ہوتا ہے۔ اور کبھی مفعول کی کسی کیفیت کا تابع ہوتا ہے سو علم اور حکم کو

دیکھا تو علم تابع معلوم ہوتا ہے۔ اور حکم تابع حاکم۔ مطلب یہ ہے کہ علم میں عالم کی رضا اور اختیار کو دخل نہیں۔ جیسا معلوم ہوتا ہے علم کے مطابق ہوتا ہے اور وجہ غلطی اسکے مخالف ہونا وہ حقیقت میں علم نہیں فقط کہنے کو علم ہے۔ اور حکم میں حاکم کو اختیار ہوتا ہے اپنی مرضی کے موافق جو چاہے حکم دے۔ محکوم کی مرضی کو سمین دخل نہیں ہوتا بلکہ محکوم کو لازم ہے کہ حکم حاکم سن کر چلا کرے۔ اور اپنی مرضی کے موافق کوئی صورت تجویز کرے بلکہ حاکم کی مرضی کا تابع ہے جو کچھ کہے اسی کے موافق بجالاے۔ اور سنتے ہی مثل دست و پا بے سوچے سمجھے فکر تعمیل کرے۔ اور حکم حاکم کو مرگ مفاجات سمجھ کر مردہ وار بے دست و پا ہو جائے۔ اور کان تک نہ پلائے۔ مگر ان یہ بات قابل لحاظ ہو کہ اگر وہ حکم کسی سے علم اور اعتقاد پر مبنی ہو جو خلاف واقع ہو تو پھر اس حکم کو نہ مانا جائے۔ اور خداوندی کا وہ ہم بھی دلیمن نہ لائے۔ جو تحقیق کیفیت روایت کی نوبت آئی۔ کیونکہ لاجرم علم تابع معلوم ہوتا ہو۔ مثل حکم تابع حاکم نہیں ہوتا ہویا جو خلاف واقع بھی خواہ مخواہ امتثال امر برآیادہ ہو۔ مگر یہ ہو تو پھر استقبال قبلہ میں خواہ مخواہ تعمیل لازم ہے۔ فقط اسکی تفتیش تو لازم ہو کہ یہ حکم خدا ہے یا نہیں کیونکہ اس حکم کو دیکھا تو کسی اعتقاد خلاف واقع پر مبنی نہیں۔ بلکہ کسی اعتقاد واقعی کی بھی ضرورت نہیں فقط حکم خداوندی کی ضرورت ہو۔ کیونکہ حاصل استقبال کعبہ تو اتنا ہی ہے کہ وہ سمت جہت قیام و رکوع و مسجد عبادت ہے۔ سو اسکے لئے کسی اعتقاد کی ضرورت نہیں۔ فقط خدا کے ارشاد کی حاجت ہے۔ البتہ اگر موافق اہل اسلام استقبال کعبہ میں کعبہ پرستی ہوتی تو بیشک مثل پرستی یہاں بھی اس اعتقاد کی ضرورت ہوتی۔ کہ کعبہ بحق عبادت ہے مگر اہل اسلام کے اعتقاد کے موافق استقبال کعبہ کا حاصل کل اتنا ہے کہ خدا کی عبادت اس طرف کیا کرو۔ اور وجہ اس تعیین کی ہر چند اہل میں یہ ہے کہ وہ تجلی گاہ ربانی ہے۔ جنابہ انشاء اللہ تعالیٰ جواب ثانی میں واضح ہو جائیگا۔ مگر کہنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ ہمارا خدا جنت سے منور ہے۔ اور انسان مقید فہم ہے۔ اگر خدا کی طرف سے یہ حکم ہو کہ جنت سے علیہ ہو کر عبادت جسمانی اور کبار و ذریہ تو تکلیف بالابطاق ہے۔ خدا کی غایتوں کو دیکھتے تو یہ تشدد ممکن نہیں معلوم ہوتا اور اگر یہ اجازت ہو کہ بس طرف کو بکا جی چاہے مسجد کر لیا کرے۔ تو سمین انتظام و اتفاق کی کوئی صورت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اتفاق بنی آدم بالخصوص ریسیات میں ایسی عمدہ چیز ہے کہ اسکی حقیقت کی تحصیل کے لئے اگر صورت اتفاق بھی مطلوب ہو تو ایسا ہے جیسے انسانیت کا طالب انسان صورت سے ہو جائے یعنی جیسے انسانیت انسان ہی کی صورت میں ہوتی ہے۔ گدھے گھوڑے وغیرہ کی صورت میں نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اتفاق بھی ہوگا تو اتفاق ہی کی صورت میں ہوگا۔ الفصہ اتفاق خاص کردین میں بہت ضرور ہے ورنہ کشت و خون اور زبیرا و فساد کا اندیشہ ہے۔ اور اتفاق اگر ہوگا تو اپنی ہی صورت میں ہوگا۔ اسلئے لحاظ انتظام و اتفاق و اتحاد فی الاستقبال ضرور ہی اور بالکل عبادت جسمانی کو اثر دیتے تو پھر ایسا فصد ہو کہ دلیں ترجم اور سخاوت ہو پر ناتھہ کو روک لیجئے۔ دل میں شجاعت ہمارا جان بوجھ کر ناتھہ پاؤں نہ پلائے غرض نہ یہ ہو سکے کہ عبادت جسمانی کو نسیا نسیا کر دیجئے۔ اور نہ یہ

مناسب ہے کہ ہر کوئی اپنا جہاد اقبلہ بنائے۔ اسلئے خداوند کریم نے ایک جہت مقرر فرمادی۔ اس سمت کی تعین کی وجہ یہ ہے کہ ہر
 اپنا کام کرنا چاہیے۔ غرض استقبال کعبہ میں حسب عقلا اہل اسلام نیت خدا کی عبادت ہوتی ہے اور نصیحت جہت معینہ خدا کی
 طرف سے فقط دفع حرج اور انتظام ملت کیواسلئے ہے مثل بت پرستی پرستش غیر نہیں جو کسی اعتقاد مخالف واقع کے لحاظ سے
 اسکو حکم خداوندی نہ کہہ سکیں۔ مان بت پرستی اور آفتاب پرستی اور آتش پرستی میں یہ اعتقاد پہلے چاہیے کہ یہ چیزیں سخت عبادت
 ہیں۔ اور چونکہ تحقیق عبادت کے لئے اختیار نفع و ضرر ضرور ہے تو شاید مذکورہ کو صاحب اختیار ماننا پڑے گا۔ وجہ اسکی یہ ہے
 کہ دوسری کی تابعداری اور اس کے سامنے عجز و نیاز ہے اس کے مقصود نہیں کہ یا اس لئے امید حصول مطلب ہو جیسے سالکوں اور
 نوکروں کو مالداروں اور اپنے آقاؤں سے ہوتی ہے یا اندیشہ فوت مقصود ہو جیسے مظلوموں اور رعیت کے لوگوں کو ظالموں
 اور حاکموں سے ہوتا ہے اور یہ دونوں نہیں تو پھر اطاعت اور نیاز زندگی کی کوئی صورت نہیں۔ محبوب کی اطاعت کی جاتی ہے
 تو اسکی بنا بھی خوشی اور ناخوشی کے لحاظ پر ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خوشی محبوب میں حصول امید اور ناخوشی محبوب میں
 ناامیدی ہوتی ہے۔ مگر جب مالدار اختیار نفع و ضرر پر ٹھہرے تو پھر اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان چیزوں کو کارخانہ وجود
 کا اختیار ہے۔ اور یہ اختیار ہے اس کے مقصود نہیں کہ وجود ان اشیاء کے حق میں خانہ زاد ہو عطار غیر ہو۔ یعنی یہ چیزیں خالق
 ہوں مخلوق نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد غیر امت کی نسبت کس قدر مخالف واقع ہے۔ اور چھوٹی باتوں میں تو مراد بکائی
 کی تعمیر و تبدیل ہوتی ہے۔ انسان عوض گدے کے خبر ہے تو ایک ممکن اور مخلوق کی جگہ دوسری ممکن اور مخلوق کو
 تو کر دیا اور خالق کی جگہ مخلوق کو رکھ دیا تو یوں کہہ واجب کی جگہ ممکن کو رکھ دیا۔ غرض اس سے بڑھ کر کوئی بات
 خلاف واقع نہیں۔ بالخصوص سچے اصنام میں تو علاوہ اعتقاد مذکور یہ اور طریقہ ہے کہ وہ مخلوقات بھی نہیں جنکو صاحب
 اختیار سمجھ رکھا تھا انکی جگہ انکی تصویریں بلکہ نام فقط ہوتے ہیں ہر چند تصویر کی صورت میں بھی یہ گفتگو تھی کہ ذی
 صورت یعنی مہادیو وغیرہ بخیال اختیار مذکور معبود تھے بوجہ صورت معبود نہ تھے جو صورت پرستی کی کوئی صورت ہوتی
 با اینہما اب تو وہ صورت بھی نہیں۔ خدا جانے انکی صورت کیا ہوگی۔ فہی الحال تو ایک پھر لنبالیا اور اسکا نام مہادیو وغیرہ
 رکھ دیا اور پرستش کرنے لگے۔ اسکو تو تصویر پرستی بھی نہیں کہہ سکتے۔ مان اسم پرستی کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہ ہے تو یہ معنی ہے
 کہ نام کے ساتھ وہ کام کرنے چاہئیں جو نام والے کے ساتھ کرنے چاہئیں۔ باج کے ہمنام کو مال کے پاس جانے سے منع
 کرے۔ اور مال کے ہمنام کو بیٹی کے پاس جانے سے روکے۔ اور بیٹی کے ہمنام کو بہن کے حیش و عشرت کرانے
 میں خلل انداز نہ ہو۔ بالحدت پرستی اور استقبال کعبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہو (چند بت خاک مابا عالم پاک)
 پرستش غیر ہرگز حکم خدا نہیں ہو سکتا۔ اور اس وجہ سے یقین ہو کہ بید کلام خدا نہیں۔ یا جلسا زون کی شرارت سے
 اس میں تحریف ہوئی۔ ورنہ بید کلام خدا ہو کر غیر محرف ہوتا تو سمیں تعلیم پرستش غیر نہ ہوتی۔ اور اس لئے اب اسکی ضرورت نہیں
 کہ کلام خدا ہونے کے لئے اول برہما کا دھرم پیمبری کا کرنا اور پھر انکا بید کو کلام خدا کہنا اسکے بعد مجبور بید کو قرآن بعد قرآن

بروایت صحیح ثابت کرنا چاہیے۔ ان نسبت قرآن شاید کسی کو بھی خیال ہو۔ اور سوجہ سے اس کے احکام بالخصوص استقبال
کعبہ میں تامل ہوا ہے۔ یگذازش ہو کہ ہمارے قرآن میں خود قرآن کا کلام خدا ہونا موجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور
نبوت اور خاقیت کا اظہار وجود اور ہجرت کا حال کہ ہر قرن میں ہزاروں جانتے چلتے آتے ہیں۔ علاوہ برین ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر اور
نہ ہونے کے پیشوا استاد خدا اور بھلا خاصان خدا تھے تو ہمارے پیغمبر بدیہ اولیٰ فرستادہ خدا اور مقبول خدا ہیں۔ اگر اور دن میں فہم و فرست
تھا تو بیان کمال فہم و فرست تھا۔ اور زمین اگر اخلاق حمیدہ تھے تو بہان ہر خلق میں کمال تھا۔ اگر اور زمین معجزے اور کرشمے تھے
تو بہان آتے بڑھ کر معجزے اور کرشمے تھے۔ فہم و فرست اور اخلاق حمیدہ کے ثبوت پر موافق و مخالف دونوں گواہ ہیں۔ موافقوں کی
گواہی کے ثبوت کی تو حاجت ہی نہیں۔ ان مخالفوں کی گواہی کا ثبوت چاہیے سو آج کل اہل یورپ کو تاریخ دانی اور تنقیح وقایع
میں زیادہ دعویٰ ہو اور انکا دعویٰ بظاہر بجا ہے۔ وہ سب باوجود مخالفت معلوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی کو عقل اور اخلاق
کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اب اگر کمال عقل و فہم اسکا ثبوت یہ ہو کہ اگر کلام اللہ شریف کلام خدا ہو اور بیشک حکم عقل و انصاف کلام خدا ہو
تب تو اس میں آپکو خاتم النبیین کہہ کر یہ جتلا دیا ہو کہ آپ سب انبیا کے سوا ہیں۔ کیونکہ جب آپ خاتم النبیین ہوئے تو یہ معنی ہوئے
کہ آپکا دین سب دینوں میں آخر ہے۔ اور چونکہ دین حکماء خدا کی کا نام ہو۔ تو جسکا دین آخر ہو گا وہی شخص سرور ہو گا۔ اسی حاکم کا
حکم آخر رہتا ہو جب سبکا سرور ہوتا ہے اور اگر بالفرض بغرض بحال حسب زعم معاندین یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
تصنیف ہے تو چونکہ اس کے کسی مضمون پر آج تک کسی صاحب عقل سے اعتراض نہیں ہوسکا۔ اور اس کے کسی عقیدہ اور کسی
حکم میں کسی عاقل کو جابے انگشت نہادان نہیں ملی۔ اکیسویں کسی بات میں کسی کو کچھ تامل ہو اور تو حامیان دین احمدی نے
جو بات و مذاہن میں اس کے مشابہ نہ بن سکیں چنانچہ آج تک اہل اسلام کا یہ دعویٰ اسی زور شور پر ہے جو اول تھا تو یوں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرور قریب فہم و اہل عقل تھے جو باوجود امتی ہونے کے ایسے ملک میں جہاں اس زمانہ میں
علم کا نام نہ تھا اسی حالت میں کہ انکے میں یتیم جوانی میں بکسین مغلس اقل سے آخر تک نہ کوئی مری نہ بچ نہ کوئی درمیر نہ آیا
ایسی کتاب لاجواب تصنیف کر گئے۔ اب اخلاق کی نیلے۔ عرب کے لوگ تو جاہل۔ تند خو۔ جاکش۔ جگجو۔ اس بات میں نہ کوئی
انکشافی ہوا نہ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زمانہ میں یہ کیفیت کہ فقر و فاقہ بجا ہے اب خان اور بکسی مغلس
مونس جان۔ نہ بادشاہ تھے نہ بادشاہ زادے۔ نہ امیر نامیر زادے۔ نہ تاجر تھے نہ تہمتے۔ کسی اونٹ بکریاں چرا کر پیٹ پالا۔
کبھی کسی کی محنت فردوسی نوکری چاکری کر کے دن بسر کئے۔ غرض خزانہ۔ مال۔ دولت کچھ نہ تھا جسکی طمع میں عرب کے
جاہل تند خو جنگجو مسخر ہو جاتے۔ آپ صاحب فوج نہ تھے جو وہ سرکش مطیع بن جاتے۔ یہ نسخہ اخلاق نہ تھی تو اور کیا تھی
جو وہ لوگ جہاں آپکا پسینہ گراتا تھا خون بہانے کو تیار۔ جہاں آپ قدم رکھیں سرکٹانے کو موجود۔ یہاں تک کہ انہیں
بیسویں مانوں نے شہنشاہی پیران دردم کو خاک میں ملا دیا۔ اور شرق سے غرب تک اسلام کو پھیلا دیا۔ ایسے اخلاق

لونی بتلاے تو سہی حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک کسی مین ہوئے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو ایسی حالت میں سطح
 لس نے سخر کیا ہے کہ یا وہ خرابی و خرابی تھی کہ زنجیر سے صحیح نہ اخلاق درست نہ احوال سنجیدہ نہ افعال پسندیدہ اور بلیہ نہ
 آگئی کہ تھوڑے سے عرصہ میں انہیں جابلوں گرد نکشوں بد اخلاقوں بد اعمالوں کو رشک علماء و حکماء بنا دیا۔ اس اعجاز تاثیر سے ہر حکم
 بھی کوئی اعجاز ہو گا کوئی بتلاے تو سہی کسی صحبت میں یہ اثر تھا۔ اور کسی تعلیم میں یہ تاثیر تھی پھر باوجود بیسوسالانی وقوت و
 شوکت مخالفین عربوں کی تسخیر کے ذریعہ سے اپنا دین شرق سے غرب تک ایک تھوڑے سے عرصہ میں پھیلا دیا۔ اور تمام سلطنتوں کو
 زیر و زبر کر کے اور دنیا کو مخلوق کر دیا۔ مگر نہ ہوا دوسرے کا پتہ نہ محبت دنیا کا نشان۔ باوجود اس قدر غلبہ اور شوکت کے آپ اور آپ کے خلفاء
 و اتباع و انصاریا کمال تھا کہ نہ مال سے مطلب نہ دولت سے غرض نہ ترانہ کو امانت سمجھتے تھے۔ اور ذرہ بھر خیانت اس میں
 روا نہ رکھتے تھے۔ اپنے لئے وہی فقر و فاقہ وہی فرش زمین وہی لباس پشمین وہی پرانے مکان وہی قدیمی سامان۔ باوجود
 اس دست قدرت کے یزیدت بجز اسکے متصور نہیں۔ کہ خدا کی محبت کے غلبہ کے باعث جو اس قدر خوف برسرے برابر تھے۔ اور نہ
 نفوذ کلر خ خاک سے کمتر۔ جیسے بغیر درت پاخانہ پشیاں کو جاتے تھے۔ ایسے ہی بغیر درت روپیہ سے کو باقہ لگانے سے پرہیز
 سوائے محبوب اصلی موجود لم نہی اور کسی کی جانتھی مفلسوں کے زب کو اس ترک و تجریت سے کہ نسبت یہاں حلی بی بی بچا رگی کا سہارا
 اور یہاں (قرار در کف آزادگان نگیر و مال) کا حساب تھا۔ ان اخلاق حمیدہ اور احوال پسندیدہ اور افعال سنجیدہ پر سوائے محبت
 الہی اور خوف خداوندی اور کاپے کا گمان ہو سکتا ہو۔ مگر خداوند موانع (چشم بلندیش کہ برکنہ باد) سب خویاں برائیوں سے
 بدتر نظر آتی ہیں۔ خیر باندیشوں کی آنکھوں میں تو خاک۔ مطلب ضروری عرض کرنا چاہیے کمالات کتنے ہی کیوں نہیں۔ اور کیکے
 کیوں نہیں کل قسموں میں منحصر ہیں۔ ایک کمالات علمی دوسری کمالات عملی جیسے نکال ہندی یعنی جنین احاطہ ہو
 باوجود اتنا ہی مثلث اور دائرہ کی طرف راجع ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہو کہ مربع مستطیل پچیسین پچیسین پچیسین تو دو دو
 مثلثوں سے مرکب ہیں۔ انیس سہ سہ سہ وغیرہ میں گائیساوی اصطلاح بھی ہے۔ تب تو دائرہ اور مثلث دونوں کا لگاؤ ہی
 اور نہ فقط مثلثوں کی ترکیب ہوتی ہے۔ ایسے ہی کمالات خداوندی باوجود اتنا ہی انہیں دو کمالات یعنی کمال علمی و کمال
 عملی کی طرف راجع ہیں۔ مگر جیسے سمع بصر کمالات علمی میں داخل ہیں ایسے ہی ہر ایک صفت میں اسلاف کمالات علمی میں
 شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ جیسے کمالات علمی سے یہ مطلب ہو کہ مصدر اور مخزن اور آلہ علوم ہوں ایسے ہی کمالات علمی
 سے یہ غرض ہے کہ مصدر اور آلات اعمال ہوں سو ظاہر ہے کہ ہر بارادہ و محبت و حبلہ اخلاق مصداق اعمال اور آلات
 اعمال ہیں۔ مگر جب خدا کے کمالات سب انہیں دو قسموں میں منحصر ہوئے تو بندوں کے کمالات بدرجہ اولیٰ ان میں
 منحصر ہوئے۔ کیونکہ بیان جو کچھ ہے سب وہیں کا ظہور ہے۔ سوجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کمالات میں
 کامل بلکہ اکمل ہوئے تو پھر آپ کے کمال میں شک کرنا بجز نقصان طبیعت و خرابی فہم متصور نہیں۔ تلاش ہے یا نہیں کہ
 رستم کی شجاعت اور طاقت کی سخاوت تو بذریعہ مشاہدہ معاملات مسلم ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال دونوں کمالات میں

باوجود شہادت محلات قابل تسلیم نہ ہو بجز اسکے اور کیا فرق ہے کہ خاتمِ درستم سے وجہِ عناد کی کچھ نہیں۔ اور رسولِ
صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ برہمی دینِ آبائی اور شوکتِ دنیوی عناد ہے۔ اگر یہ عناد قابلِ اعتماد کے ہو تو تمام چور
اور قزاق بادشاہانِ عادل سے غبار رکھتے ہیں اور تمام اطفالِ ستیزہ معلم اور طبیب اور جراح اور چارہ گر کے دشمن
ہوتے ہیں۔ اگر کسی کی دشمنی و عناد کے باعث دوسرے کا بڑا ہونا ضرور ہو تو بادشاہانِ عادل سب سے بڑے ہوں۔ اور
معلم اور طبیب اور جراح اور چارہ گر سب سے زیادہ ناکارہ۔ القصد اگر کوئی شخص نبی تھا تو آپ خاتم الانبیاء ہیں اور کوئی اور نبی
تھا تو آپ سرور اولیاء ہیں۔ او کیوں نہیں۔ اعجازِ علمی میں آپ کا ممتاز ہونا یعنی نزولِ قرآنی سے مشرف ہونا اسپر شاہد ہی
کہ مراتبِ کمالات آپ پر ختم ہو گئے۔ شیخ اس تاکی یہ ہے کہ تمام صفاتِ کاملہ کا علم پر انتہا ہے۔ چنانچہ کمالاتِ علمی کا محتاج
علم ہونا دلیلِ ظاہر ہے۔ محنتِ شوقِ ارادہ قدرتِ سخاوتِ شجاعت و علم و حیا سب علم ہی کے ثمرات ہیں۔ سو یہ
کمالِ علمی کمالِ علمی سے بڑھ کر ہے۔ ایسے ہی شخص جو کمالِ علمی میں اور دن سے بڑھ کر ہر تہہ میں بھی اور دن سے
بڑھ کر ہو گا۔ مگر کسی کمال میں کسی کا اور دن سے بڑھ کر ہونا اگر معلوم ہوتا ہے تو اس کمال کے اعجاز سے معلوم ہوتا ہے
یعنی جیسے مثلا کسی نثر نویس کے برابر اگر کوئی شاعر لکھے تو ہر کسی کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ خوش نویس اپنے فن میں بیکتا
بنظیر ہے۔ ایسے ہی کمالاتِ علمی اور علمی میں اگر کوئی شخص اور دن کو عاجز کر دے اور تمام قرآن و امثال اسکے مقابلے
سے عاجز آجائیں تو یوں سمجھو کہ وہ شخص ان کمالات میں بیکتا اور بنظیر ہے۔ سو جب ثانی قرآن پہلے کوئی کتاب
نہ تھی۔ اور بعد میں دعویٰ کر کے تمام عالم کو عاجز کر دیا تو بشرِ طرہم و انصاف ہی کہنا پڑیگا کہ نہ پہلے کوئی شخص کمالِ علمی میں
ایکسا ہوتا تھا اور نہ بعد میں کوئی شخص ایکسا ہوتا ہوا۔ جب اتنے دنوں میں باوجود دعویٰ اعجازِ قرآنی و کثرتِ حاسدین
کسی سے کچھ نہ ہو سکا تو ہر کسی کو یقین ہو گا کہ آئندہ کیا کوئی قابلہ کرے گا۔ پھر یہ اعجازِ علمی وہ بھی بمقابلہ اولین و آخرین
اگر آپ کی خاتیمت اور بیکتائی پر دلالت نہیں کرتا تو اور کیا ہے۔ ایسا شخص اگر خاتم النبیین نہیں تو اور کون ہو گا۔ اور
ایسا شخص نہ در اولین و آخرین نہیں تو اور کون ہو گا۔ اہل فہم و انصاف کے لئے تو یہی بس ہو گا۔ نادان کو کافی
نہیں دفترِ رسالہ اور سنیہ باوجود اس اعجاز اور امتیاز کے جس کے بعد اہل فہم کو آپ کی سروری کے اعتقاد کے لئے
اور دلیل کی حاجت نہیں۔ کمالاتِ علمی میں بھی آپ بیکتا ہیں۔ اور ان میں بھی کوئی ایکسا ہوتا نہیں۔ ہر چند لو
اعجازِ مذکور ان کے ذکر کی کچھ حاجت نہیں۔ مگر چونکہ اعجاز اگر کسی کے کمال پر دلالت کرتا ہے تو بعد اطلاع و علم دلائل
کرتا ہے سو جیسے جمال و صورت آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے اور کمالِ آواز کانوں سے۔ اسلئے ہر اعجاز کے لئے ایک
جدید حاسد۔ اور جدید کمال کی حاجت ہو۔ اور اسلئے اعجازِ علمی کے اور اک اور علم کے لئے کمالِ عقل و فہم کی حاجت
جہاں تک ہنگ عتنا جان سے معذور ہو۔ اسلئے اعجازاتِ کمالاتِ علمی بھی بطور (مستے نمودار خوارے) ہزار و نہیں۔
روحِ حاضر کرتا ہوں تاکہ مخلصوں کے لئے یہ ساخت بیکتائی جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوات و التسلیمات

سنیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدولت اگر زمین پر رکھے مجھے ایک پتھر میں سے پانی کے چشمے نکلتے تھے تو کیا ہوا۔ زمین اور پتھروں سے پانی نکلا ہی کرتا ہو۔ کمال یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک میں سے پانی کے چشمے نکلتے تھے جس سے شکر کا نام سیلاب ہو جاتے تھے گوشت پرست پانی کا نکلتا جس سے علاوہ اعجاز کے جسم مبارک کی برکت کا اثر نظر آتا ہو۔ ایسا عجیب ہو کہ اعجاز موسیٰ کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ خاص کر صیب بدیکھا جاو کہ ہاتھ جو کچھ ہوتا تھا بعد ضرب عصا ہوتا تھا جس سے خواہ مخواہ ہی احتمال زمین کھٹکتا ہو کہ ہونہو ضرب عصا سے پتھر کے مسلمات کھل گئے اور نیچے سے پانی آنے لگا۔ غرض اعجاز موسیٰ مسلم مگر اعجاز محمدی میں جو بات کہان زندہ برکت جسمانی نہ وہ کمال اعجاز آدر سنیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اگر اڑد یا بنگیا اور حضرت عیسیٰ کی دعا سے مردہ زندہ ہو گیا یا گاریسے ایک جانور کی شکل بنا کر خدا کی قدرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اڑا دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے سر کی برکت سے کبھی کا سوکھا کھجور کی لکڑی کا ستون زندہ ہو کر آپ کے فرقہ میں اور خدا کے ذکر کی موقوفی کے صدر میں سے چلایا علیہ القیاس پتھروں اور سنگریزوں کے سلام اور شہادت اور تسبیحات حاضرین نے سنیں اہل فہم کے نزدیک ان اعجاز کو اس اعجاز سے کیا نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اگر زندہ ہوا تو اڑد یا کی شکل میں اگر زندہ ہوا اور پتھر ہی حرکات اس سرزد ہوئیں جو اڑد یا نہیں اور اڑد ہونے نہیں۔ علیٰ القیاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر گارے سے حرکات زندہ ہونے سے سرزد ہوئیں تو جیسا سرزد ہوئیں جب وہ گارے سے کی شکل بن آلیا۔ آخر زندہ کی شکل کو زندگانی سے کچھ علاوہ اور نسبت سے جو یہ ملازمت ہے کہ زندگانی زندہ کی شکل سے علیحدہ نہیں پانی جاتی اس صورت میں زندگانی اتنی مستقیم نہیں جتنی اشکال زندگان سے علیحدہ زندگانی مستبعد ہو اور پھر آتا زندگانی بھی سرزد ہونے سے تو بجز پرواز اور کیا سرزد ہو کہ یہ روایت ہے جس میں تمام پرندے شریک ہیں مگر سوکھے ستون کی زندگانی اور سنگریزوں کی تسبیح خوانی میں نہ شکل و صورت کا لگاؤ ہے نہ کوئی ایسا برتاؤ ہے جس میں اور جنس شریک ہوں۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ حیوانات بلکہ نباتات اور حیوانات تو کیا بنی آدم میں سے بھی کسی کسی کو یہ شرف میسر آتا ہو۔ سوکھے ستون کا فراق نبوی میں رونما یا موقوفی خطبہ خوانی سے جو اس کے قریب و جوار میں ہوا کرتی تھی چلا آتا اس محبت خدا و رسول پر دلالت کرتا ہو جو بعد طے مراحل معرفت میسر آتی ہو۔ کیونکہ محبت کے لئے مرتبہ حق یقین کی ضرورت ہو۔ اگر علم یقین یعنی اخبار متبرہ متواترہ سے محبت پیدا ہوا کرتی تو حضرت یوسف وغیرہ حسنان گزشتہ کے آج لاکھوں عاشق ہوتے۔ کیونکہ جو شہرہ ان کے حسن و جمال کا اب ہو وہ پہلے کا ہو سکتا تھا۔ علیٰ القیاس اگر بذریعہ عین یقین یعنی مشاہدہ محبت ہو اگر تھی تو شروع رغبت شیرینی وغیرہ ماکولات کے لئے چکے اور کھانے کی ضرورت نہوتی خط مشاہدہ کافی ہوا کرتا۔ انتفاع اور استعمال کی ضرورت خود اس پر شاہد ہے کہ حق یقین چاہیے۔ حق یقین اسی انتفاع اور استعمال کو کہتے ہیں۔ باقی حسنین کی محبت کے لئے فقط دیدار کا کافی ہو جانا جو بظاہر اس دعویٰ کے مخالف نظر آتا ہو۔ بوجہ قلت فہم مخالف نظر آتا ہے۔ در نہ بیان بھی وہی مرتبہ حق یقین سامان محبت ہو۔ اتنا فرق ہو

قابل انکار نہیں بلکہ روایت ہنود کے لئے سوا ہونے سے جس پر قصہ نزول آفتاب اور نزول قمر اور گنگا کا آسمان سے آنا اور منہیل کا راجہ انگ پست کی دیگی کے وصول کے پانی سے جاری ہونا اور سوا اسکے اور قصے واجب الانکار و دلائل کرتی ہیں۔ یوں سمجھ میں آتا ہے کہ مہنغان ہنود نے اس اعجاز محمدی کو بسوا متر کسیرف منسوب کر دیا ہے اور چونکہ مہنغان نے احتیاطاً صد واقعات میں ایسا کر چکے ہیں کہ تھوڑے دنوں کی بات ہوتی ہے اور زمانہ دراز کی بتلاتے ہیں چنانچہ آفرینش کا سلسلہ لاکھوں برس کا قصہ لکھتے ہیں تو قدیم بتلاتے ہیں۔ تو اگر واقعہ زمانہ محمدی کو بھی پیچھے ہٹا کر بسوا متر تک پہنچا دیں تو ان سے بعید نہیں اعجاز کا سلسلہ اگر آٹھ سے یہ اعجاز جاسے کہ پہلے زمانہ کی بات پچھلے زمانہ میں چلی جاسے تو کیا بجایا ہے۔ علاوہ برین کسی روایت متواتر سے یہ ثابت نہیں کہ مہابھارت کس زمانہ میں تالیف ہوئی۔ مان جب یہ لحاظ کیا جاسے کہ باتفاق ہنود بیدار اپنا کہہ سب کتابوں کی نسبت پہلی ہے۔ اس پر ان کے ہند میں شکر اچاج کا قصہ اور انکا تفسیر کرنا اقوال بیکھڑ کر رہے۔ اور شکر اچاج کو کل پانسو چھ سو برس گزرے ہیں تو یوں یقین ہو جاتا ہے کہ مہابھارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے کی کتاب نہیں جو یوں یقین ہو جاتی کہ مہابھارت میں جس اشتقاق کا ذکر ہے وہ اور اشتقاق ہے جو مہابھارت نہیں جو زمانہ محمدی میں واقع ہوا کیونکہ اس صورت میں بیدار اپنا کہہ ہند کی عمر بھی پانسو چھ سو سے کم ہی ہوگی۔ مہابھارت جو باتفاق ہنود ان کے بھی بعد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پیشتر کی کیونکر ہو سکتی ہے۔ علاوہ برین چمنے مانا وہ اشتقاق غیر اشتقاق زمانہ محمدی تھا۔ لیکن کتب ہنود میں اسکی تصریح نہیں کہ اشتقاق میں بسوا متر کی تاثیر کو کچھ دخل تھا اس صورت میں یہ بھی احتمال ہے کہ بعد اشتقاق و وطن ٹکڑ کا ملجانا بسوا متر کی دعا سے ہوا ہو سولجانا اتنا مستبعد نہیں جتنا پھٹ بلنا۔ کیونکہ اجزاء کا ارتباط سابق اگر باعث انجذاب ہو جائے تو چندان بعد نہیں پر پھٹ جانے کے لئے سوا سے تاثیر خارجی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی باقی کسی کے بدن پر کثرت فرجون کا پیدا ہو جانا اگر ہی تو اس قسم تغیر و تبدل ہیئت جسم ہو تبدیل حقیقت ہوتا ہے بھی اس تبدیل حقیقت کی برابر نہیں سکتا کہ جلدات اعلیٰ درجہ کے بنی آدم اور فرشتوں کی برابر ہو جائیں۔ اب دو باتیں قابل لحاظ باقی رہیں اول تو جیسا آنا ہی نہایت ویلند صاحب فرماتے ہیں یہ ہے کہ وقوع خرق عادت ہے ہر دوسرے عقل قابل قبول نہیں۔ دوسرے اور واقعہ بھی نہیں تو در صورت وقوع اشتقاق قمر و ضرور ہے تو اسے عالم میں مرقوم ہوتا سوال کا جواب تو یہ ہے کہ تلم عالم وقوع خوارق پر متفق ہرگز بزرگوں سے خوارق نقل کرتے ہیں اگر بالفرض کوئی خاص واقعہ غلط بھی ہو تو قدر مشترک تو واجب التسليم ہی ہوگی ورنہ یہی اشتقاق خبر میں بھی غلط ہو اگرین تو ضرور کے ذریعہ سے کوئی بات تصدیق نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی مذہب قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ علاوہ برین اگر خوارق کا ہونا ممکن نہیں تو سب میں ہر جگہ خرق عادت یہ ہے کہ خدا کسی سے کلام کو سے با کسی کے پاس۔ پیام بھیجے۔ اسلئے نہایت صاحب کا مذہب تو ان کے طرہ پر بھی غلط ہو گا اور اسے بھی جانے دیجئے جب گفتگو عقل کے قبول کرنے میں ہی تو عقل ہی سے چھوڑ دیکھئے عقل سلیم سپر شاہ ہے کہ جیسے مخلوقات میں باہم فرق کی بیشی علم و قدرت و طاقت ہے خالق اور مخلوق میں بھی یہ فرق ہونا چاہیئے بلکہ جب بلو جو مشترک مخلوقیت یہ فرق ہے تو فرق خالقیت اور مخلوقیت پر تو یہ فرق بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے

سوچ بات خدا سے ہو سکے اور بندوں سے نہ ہو سکے ہم سیکو حرق عادت کہتے ہیں بشرطیکہ کسی مخلوق کا اس میں واسطہ ہو باقی
 یہی صورت واسطہ وہ یہ کہ جو فیض و علم تدبیر بادشاہوں کے ہاں دراز و نامدار ہوتے ہیں ایسے ہی سلطان قدرت تخیل شکر جبار مگر چونکہ
 نفاذ تدبیر کے لئے سامان تخیل کی ضرورت ہوتی ہے تو وزراء اور گورنروں اور افشاروں کی مدد میں لشکر کا رہنا ضرور ہو اس واسطے کہ
 کے دین کی ترقی کے غرض علم تدبیر تو انبیاء اور اولیاء ہوتے ہیں انکی مدد میں کسی قدر امداد قدرت ضرور چاہیے تاکہ ایک دو
 واقعہ قدرت نما سے سب کشتوں کی انگلیں کھل جائیں اب گزارش یہ ہے کہ جو شخص انہی بات سمجھ جائے گا وہ بشرط صحت روایت زمانہ
 گوشہ کے خالق کا انکار نہیں کر سکتا مان جو شخص فہم ہی سے عاری ہو وہ جو چاہے سو کہے مگر یہ بھی اہل انصاف کو معلوم ہو گا
 اور نہ ہو گا تو تعجب سے واقفہ معلوم ہو جائیگا کہ صحت روایت دینیات میں کوئی شخص دعویٰ ہمہ سہی اہل اسلام نہیں کر سکتا بلکہ
 واقعہ اشتقاق قمر کو سیطرہ قابل انکار ہی نہیں علاوہ احادیث صحیحہ قرآن میں اس اعجاز کا ذکر ہے اور سب جانتے ہیں کہ
 کوئی خبر اور کوئی کتاب اعتبار میں قرآن کے ہم پل نہیں۔ اور کیونکہ ہوا ابتداء اسلام سے آج تک ہر فرقہ میں قرآن کے لاکھوں حافظ
 موجود رہے ہیں ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اسکا اول سے آخر تک آج تک محفوظ چلا آتا ہے۔ واد اور فار اور بار اور تار وغیرہ
 حروف متحد المعانی اور قریب المعانی میں بھی آج تک اتفاق خلط ملط نہیں ہوا نماز میں اگر وجہ سبقت دسانی کیسے منہ سے
 اس قسم کی تغیر و تبدیل ہو جاتی ہے تو اول تو پڑھنے والا خود لوٹتا ہے اور اگر کسی دہیان میں اسکو دھیان نہ آیا تو سننے والے مستنبہ
 کر کے پھر بتا دیتے ہیں۔ یہ اہتمام کوئی بتلائے تو ہی کہے یہاں کس کتاب میں ہے۔ اسکے بعد اسوجہ سے اسکے وقوع میں متاثر
 ہونا کہ تاریخ میں اسکا ذکر نہیں اور ملک ملے اسکے شاہد نہیں اہل عقل و انصاف سے بعید ہے باوجود صحت و تواتر و تواتر
 خارجی شبہات کی وجہ سے متاثر ہونا ایسا ہے جیسے باوجود مشاہدہ طلوع و غروب گھڑی گھنٹوں کی وجہ سے طلوع و غروب
 میں تاثر کرنا یا ایہہ موافق کتب ہندو اول تو اشتقاق قمر کے لئے انکو بھی یہ نشان بتلانا چاہیے۔ بسواسر کے زمانہ کا اشتقاق
 کوئی تاریخ میں مرقوم ہے نہ نزل آفتاب و ماہ و امتداد شب تا مقدار ششماہ زیادہ تر شہرت اور کتابت کے قابل ہیں وگھڑی
 تاریخ میں مرقوم ہیں اشتقاق قمر زمانہ نبوی صلی علیہ وسلم ایسے وقت میں واقع ہوا کہ وہاں چاند افق سے کچھ ٹھوڑا ہی
 اوپر اٹھا تھا۔ کہہ جراح چندان بلند نہیں وقت اشتقاق دونوں ٹکروں کے بیچ میں معلوم ہوتا تھا اسوقت ملک ہند میں تواتر
 قریب نصف کے آئی ہوگی۔ اور مالک مغرب میں اسوقت طلوع کی نوبت ہی نہ آئی ہوگی۔ باہینہ شب کا واقعہ ٹھوڑی ہوگا
 قصہ اور مالک مشرق میں سورج کا وقت۔ اور جابر سے کا موسم فرض کیجئے۔ تو ہر کوئی اپنے گھر کے کونے میں رزائی اور لحاف میں
 ہاتھ نہ لپیٹے ہے ایسا مست خواب کہانی بھی خبر نہیں۔ اور اگر کوئی کسی وجہ سے اسوقت جاگتا بھی ہو تو آسمان اور چار
 سے کیا مطلب جو خواہ مخواہ اور کھڑکھڑانے بیٹھے۔ پھر گرد و غبار اور ابرو کہسار اور و ظن و خیال کا بیج میں ہونا اس سے
 علاوہ رہا۔ باہینہ تاریخ فرشتہ بین رانا اور دیور کا اس واقعہ کو مشاہدہ کرنا مرقوم ہے۔ رانا ملک جنوبی و شمالی میں اس واقعہ
 کی اطلاع کا ہونا ہونا اسکی یہ کیفیت کہ اگر جابر سے کے موسم اور گرد و غبار اور ابرو کہسار وغیرہ اس وقت طلوع نظر ہی کیجئے

تو وہاں حالت اشتقاق میں بھی قمر اتنا ہی نظر آیا ہوگا جتنا حالت اصلی یعنی جیسا اور شہوان میں بائیں وہ کہہ رہے تھے۔
 سے کم نظر آیا کرتا ہو اس میں بھی نصف سے کم نظر آیا ہوگا۔ نہ مخرطہ نگاہ کو نصف یا نصف سے زیادہ متصل مانا جائے
 تو یہ قاعدہ مسلمہ غلط ہو جائے کہ خط ضلع ناویہ مخرطہ کر کے نصف سے دوری ماس ہو کر تا ہو۔ اور جب یہ ٹھہری تو پھر اکثر مالک
 جنوبی و شمالی میں ایک نصف سے دوسرے نصف کی آڑ میں گیا ہوگا۔ اور اس وجہ سے ان لوگوں کو اشتقاق قمر کی اطلاع نہ ہوتی ہوگی
 بلکہ ملک عرب و دیگر مالک قریباً زمین ازل تو تاریخ نویسی کا اہتمام تھا اور کسی کو کچھ خیال ہوتا بھی تو عداوت مذہبی مانع تحریر تھی
 علاوہ برین ایک مقدمہ کے لئے کوئی شخص تاریخ لکھا بھی نہیں کرتا۔ موضوع تاریخ اکثر معاملات سلاطین و دیگر اکابر ہوا
 کرتے ہیں اس کے ساتھ اس زمانہ کے وقائع عجیب بھی تب عام قوم ہو جاتے ہیں۔ مگر چونکہ مورخ اصل اکثر خیر اندیش سلاطین و اکابر
 زمانہ ہوا کرتا ہے اس لئے ایسے وقائع کی تحریر کی امید بجز موفقیں و معتقدین زیبا نہیں اس تحقیق کے بعد اہل فہم کو تو نشانہ اللہ
 محال و مردوں باقی رہیگی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سروری و فضیلت میں کچھ تامل نہ ہوگا کیونکہ کوئی حجت
 عقلی یا نقلی اس مقام میں پیش کر سکے قابل نہیں ہاں ناحق کی جستجو کا کچھ جواب نہیں موافق مصرعہ مشہور (جواب جاہلان
 باشد خوشی) جاہلان کم فہم کے مقابلہ میں بہین چپ ہونا پڑیگا۔ باجملہ بشر ظہم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت
 واجب تسلیم اور اس لئے استقبال کعبہ کی نسبت اس قرآن میں حکم ہو جانے واسطے سے خدا کی طرف سے آیا قابل اعتراض
 نہیں اور بت پرستی جسکی نسبت کسی کتاب سماوی میں حکم نہیں اس کے برابر بڑے عقل پرگز نہیں ہو سکتی ہاں عقل ہی نہ ہو تو
 خدا پرستی اور بت پرستی دونوں برابر ہیں۔

پچھلے ان سات وجوہ کے مطالعہ کے بعد اہل فہم کو انشاء اللہ روشن ہو جائیگا کہ استقبال کعبہ اور بت پرستی میں زمین و
 آسمان کا فرق ہے۔ گویندے دیانند صاحب کو ناواقفیت دونوں برابر نظر آئے ہوں۔ مگر اٹھویں وجہ فرق ہنوز سرور میں نہیں
 ہوئی چونکہ اسپر تمام وجوہ فرق کا مدار ہے اس لئے اسکا معروض ہونا پر ضروری مگر چونکہ علاوہ ظہور فرق وجہ استقبال کعبہ اس میں
 بیان ہو کر بالیقین نہیں یہ بھی آج سے کہ بت پرستوں کو قابل استقبال بھی نہیں چہ جائیکہ انکی پرستش ہو تو بطور جواب مستقل اسکا ذکر
 کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر بالفرض عالم میں بت پرستی کی نوبت نہ آتی تب بھی یہ بات تو قابل لحاظ تھی کہ اس طرف کو شخص
 کر نیکی کیا وجہ ہے۔ عرض جواب اول سے مقصود بیان فرق تھا جسکا حاصل یہ تھا کہ بت پرستی میں پرستش غیر ہو اور استقبال
 کعبہ میں پرستش خدا اور چونکہ پرستش خدا بالاتفاق اچھی ہے اور پرستش غیر تمام اہل عقل کے نزدیک بُری ہے۔ اس لئے حاصل اس
 جواب کا لازم ہوگا۔ اور وجہ اٹھویں بابین نظر کہ ضرورت فرق نہ ہو جب بھی اس وجہ کی ضرورت ہو کوئی مخالفت اس نہ ہو سہی ہوا
 کے طریقہ ان ہی سے ایک تحقیق واقعی ہو اور اس لئے اسکا حاصل جواب تحقیقی ہوگا۔ اسوجہ سے الاستقلال اسکا ذکر کرنا
 مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ وہ مضمون ایک مضمون طویل الذیل ہے اگر پورا بسط کیا جائے تو شاقان جوابات اعتراضات
 پنڈت صاحب کا دل گھبرا جائیگا اور مختصر لکھا جائے تو شاقان مضامین دقیقہ کو امان رہ جائے گا اس لئے یوں مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کی دو تقریریں ایک بجل ایک مفصل لکھی جائیں تاکہ جس کی کو جس قسم کا ذوق ہو سکودیکھے۔ اور
دیکھ کر حق و باطل کی تمیز حاصل کر کے انصاف کے ساتھ مجبور و ملحد سے۔

تقریر بجل جواب ثانی

ہم کہہ کر اپنا معبود نہیں سمجھتے تجلی گاہ معبود سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ تجلی یعنی عکس یا تصویر عین ذی عکس اور عین ذی تصویر ہوتی ہے
اس تجلی کی طرف سجدہ عین خدا ہی کا سجدہ ہو گا۔ عکس اور تصویر کے عین ذی عکس اور عین ذی تصویر ہونے کی تو یہ وجہ ہے کہ اگر عین
نہ ہو غیر ہو گا تو اس کے ذریعہ سے ذی عکس اور ذی تصویر کی شناخت ممکن ہو ورنہ ہر چیز ہر چیز کی صورت اور تصویر ہو یعنی جب
اتحاد شرط نہیں تو پھر کیا معنی کہ تصویر تو باوجود مغایرت ذریعہ شناخت ہو اور عین کی شکل ہر کی شکل کے لئے ذریعہ شناخت نہیں ہاں
اگر یوں کہیں کہ شکل و لون جابا یک ہے پر ذی شکل عین و تہہ بین۔ یا یوں کہیں کہ ظہر و بطن تہہ بین تو یہ شناخت بھی درست ہو گا اور
ظاہر کی مغایرت بھی ممکن نہ لگ جائے۔ اور اس کی بھی وجہ معلوم ہو گا کہ تصویر کی نسبت ہر کوئی کہتا ہے کہ یہ عینہ فلانے شخص کی
صورت سے غرض یہ عینہ کہنا جو ہر کیسے و ہمیں جاسا اور زبان پر چڑھا ہوا ہے اس کی وجہ وہی اتحاد صورت اور عینیت مذکورہ ہے اور اس کے
تجلی گاہ جانی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو نسبت آئینہ کو نور کے ساتھ ہے وہی نسبت اس فضا کو جو ایک فضا سازین و آسمان میں نظر آتا ہے اور
جس میں تمام اجسام ملتے ہوئے ہیں اور سما جاتے ہیں وجود کے ساتھ ہے یعنی یوں تو سارے اجسام معروض نور ہوتے ہیں اور اس کے
اعتبار سے سب محسوس ہوتے ہیں اگر وہ نہ ہو تو پھر احساس اشکال اجسام اور دیدار الوان اجسام کی کوئی حدیت نہیں غرض
اصل میں نور ہی نظر آتا ہے اور اسی کی بیننگانگی الوان ہوتی ہے پر باوجود اس اشتراک کے جو آئینہ کو نور مذکور کے ساتھ ہے
وہ اور اجسام کو نہیں نور ہی محسوس آئینہ بھی محسوس نور بھی صاف شفاف نگاہ کے عود کو مانع نہیں آئینہ بھی صاف شفاف
نور و نگاہ کو مانع نہیں ہوا میں اگر صفائی ہے تو محسوس نہیں اور سوا اسکے اور اجسام محسوس ہیں تو ان میں صفائی نہیں سوا اس
صفائی اور احساس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئینہ تجلی گاہ نور ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے جو چیز قابل احساس ہے اس نور میں جو فضا قابل
آئینہ میں ہو آئینہ میں نظر آنے لگتی ہے علی ہذا القیاس یوں تو تمام مخلوقات معروض وجود ہیں اور اس کے اعتبار سے تمام حکام
وجودی مخلوقات پر تفرع ہونے میں در نہ اپنی فائستہ اور اپنے اعتبار سے مخلوقات موجود ہوتی تو تسل وجود وجود اصلی ہے کہ بھی انکو
فضا نہ ہوتی اور عدم عارض نہ ہوا کرتا لیکن باوجودیکہ تمام مخلوقات معروض وجود ہونے میں شریک بلکہ گریں پر جو بنا سبت فضا
مذکورہ وجود کے ساتھ ہے وہ اور موجودات مثلاً الہا کو نہیں تفصیل اس جمال کی یہ ہے کہ اول تو عینہ عالم ہستی میں وجود محتاج الیہ
عام ہے اور اس کے غنی و نظام مخلوقات اپنی ہستی میں اسکے محتاج ایسے ہی عالم العباد میں فضا مذکورہ محتاج الیہ عالم ہے اور اس کے
غنی اور نظام مذکورہ عباد اپنے وجود و نظام میں اسکے محتاج وہ ہے جو عینہ وجود غیر محدود اور غیر متناہی ہے ایسے ہی فضا مذکورہ بھی
غیر محدود اور غیر متناہی وجود کے غیر متناہی ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہ متناہی ہو گا تو کسی احاطہ میں ہو گا اور احاطہ نہ ہو سکے

متصور نہیں کہ بڑی وسیع چیزیں سے بذریعہ احاطہ ایک چھوٹی چیز جدی کر لیجئے اس لئے اول ایک وسیع چیز تسلیم کیا سے پھر اس احاطہ کی ثبوت آئے چنانچہ ہی بنا پر ہر قید کے لئے ایک مطلق کی ضرورت پڑی۔ مگر جب یہ وجہ ضرورت مطلق میں کام آئے تو ضرورت غیر متناہی میں بھی کام آئیگی یعنی اس وجہ سے یہ بھی ضرور ہے کہ جہاں متناہی ہو اس سے پہلے ایک غیر متناہی ہو جس میں سے بذریعہ نہایت و احاطہ ایک متناہی لیا جاسکے مگر جو کو دیکھا تو اس سے پہلے کوئی مفہوم نہیں اس صورت میں وہ محدود ہو تو کیونکر ہو اگر اسکو محدود کیسے تو اس سے اوپر اس سے پہلے اور مفہوم ماننا پڑیگا۔ مگر جب اس وجہ سے وجود غیر محدود ہے تو پھر فضا مذکور بھی غیر محدود ہونا چاہیے ورنہ اسکی حدود سے پرے اور استدلال مانا جائیگا اور وہ غیر متناہی ہو گا یا اسکے سوا اور کوئی اعتداد غیر متناہی ماننا پڑیگا۔ بالکل اگر فضا مذکور غیر متناہی نہ ہو تو اس فضا کے لئے اور فضا غیر متناہی تسلیم کرنا پڑیگا اس سے بہتر یہ ہے کہ اسکو غیر متناہی مان لیجئے ورنہ ہمارا متناہی تو سر ہی اور فضا کے لئے اور فضا ماننا پڑیگا اور ایسی صورت ہو جائیگی کہ حرارت کے لئے حرارت اور برودت کے لئے برودت وجود کے لئے وجود اور عدم کے لئے عدم ہر قسم جیسے وجود قابل حرکت نہیں فضا بھی قابل حرکت نہیں فضا کا قابل حرکت ہونا اول تو خود انشئین دوسرے حرکت کے لئے یہ ضرور ہے کہ جیسے اجسام اس فضا کے مطروف اور یہ فضا انکا طرف ہے اور اس وجہ سے اس میں حرکت متصور ہے ہی اس فضا کے لئے در صورت حرکت یہ لازم ہے کہ وہ کسی اور فضا کا مطروف اور وہ فضا اسکا طرف ہو اور اس وجہ سے اسکو اس میں حرکت متصور ہے نہ انیاس وجود اگر متحرک ہو تو اسکے لئے بھی اس طرح کوئی چیز محیط ہونی چاہیے مگر یہ بات پہلے معروض ہوئی کہ نہ اسکے اور کوئی مفہوم جو اسکو محیط ہو اور نہ اسکے لئے کوئی فضا جو اسکو محیط ہو چھتے جیسے وجود میں گنجائش خرق والیتام نہیں ایسے ہی فضا مذکور میں بھی گنجائش خرق والیتام نہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ خرق والیتام کے لئے یہ ضرور ہے کہ وقت خرق فضا محیط دو ٹکڑوں کے بیچ میں حاصل ہو جائے مگر یہ بات اول ہی معلوم ہو چکی کہ یہاں تصور نہیں اسکے سوا اور بھی وجہ مناسبت میں پرانہ ذیستہ تطویل اتنی ہی وجہ پر مناسبت کی سبب یہ گزارش ہے کہ جب یہ وجہ فضا اور وجود میں مشترک اور سوا ان دونوں کے اور ذی و عباد چیزوں یعنی اجسام میں نہیں پائی جاتیں تو یوں کہو دی صورت ہو گئی جو آئینہ اور نور مذکور میں تھی اور اسلئے جیسے آئینہ بوجہ مناسبت معلومہ معروفیت معروضہ تجلی گاہ نور ہو گیا تھا ایسے ہی این لازم ہے کہ بوجہ مناسبت معلومہ معروفیت معروضہ فضا بھی تجلی گاہ وجود سوا اسکے جو چیزیں احاطہ وجود میں ہوں اور مقابل فضا مذکور آجائیں نہیں منکس ہو جائیں سو وجود کو دیکھا تو جمال خداوندی سے اسکو ہی نسبت پائی جیسے آفتاب کی شعاعوں کو آفتاب کے ساتھ یعنی جیسے نور آفتاب کی شعاعیں آفتاب کے کہیں جدا ہیں نہیں تھیں اور ہر اجسام انکے وقوع اور اتصال اور عرض کے سبب منور ہو جاتے ہیں انہیں جیسے پہلے علمہ تھیں ایسے ہی پھر علمہ پہنچاتی ہیں اس طرح وجود خداوندی اس سے کبھی علمہ نہیں ہوتا اور جو چیزیں اسکے عرض و اتصال وقوع کے سبب موجود ہو جاتے ہیں یعنی مخلوقات اور ممکنات انہیں جیسے پہلے وہ وجود علمہ تھا ایسے ہی پھر بھی علمہ پہنچتا ہے چنانچہ اسوجہ سے مخلوق کا معدوم ہونا ہر وقت ہے میں مگر جب یہ صورت ہے تو پھر جیسے آفتاب کی شعاعیں آفتاب کو محیط ہیں ایسے ہی وجود مذکور جمال خداوندی کو محیط ہو گا اور اسکا ہے فضا و ممکنات اسکے فطریع اور انعکاس کی اسید ہو مگر جیسے آئینہ کے انعکاس کے لئے تقابل شرط ہے اور ذی حشر کے

طعی کی ضرورت ایسے ہی فضا کے مذکور میں بھی انعکاس ہو تو انہیں بھی یہ تقابل شرط ہوگا اور علیٰ ہذا القیاس بجائے طعی پہلے
 بھی کوئی سامان ظلمت چاہیے جسکے باعث نگاہ کو آگے راہ نہ ملے اور جیسے گیند کو گھرا کر اچھلتی ہے ایسے ہی نگاہ اسپر کرکھا کر ٹپے اور اصل شے کو
 واقع ہوا اور بوجہ انعکاس نگاہ صورت عکس پیدا ہو۔ قصہ جیسے نگاہ ظاہری کے لئے طعی سامان ظلمت ہے ایسے ہی دیدہ بصیر کے
 لئے بھی کوئی سامان ظلمت چاہیے سو سامان ظلمت قعرہ صدم ہے جو موجودات خاصہ مقیدہ کو جنہیں سے ایک فضا مذکور بھی ہے ایسے طرح محیط
 ہوتا ہے جیسے صحن کے دھوپ کو سایہ کی ظلمت سے بڑھ کر کوئی ظلمت ہی نہیں اور تقابل کی صورت ہے کہ جیسے جال آفتاب مبداء شعلہ آفتاب
 ہی ایسے ہی جال خداوندی مبداء وجود مذکور کے مقابل کوئی مبداء بھی چاہیے سو خانہ کعبہ کو جو دیکھا تو مبداء عالم احیاء مابا۔ و صبر
 اسکی یہ ہے کہ یہ قصہ زمانہ گذشتہ کا واقعہ ہے اور زمانہ گذشتہ کے واقعات کے دریافت کر نیکے لئے سوال کے اور کوئی صورت نہیں کہ
 اخبار متواترہ اور روایان معتبر سے دریافت کیا جائے سو اس بات میں قرآن اور اسکے بعد روایات اہل اسلام سے بہتر کسی کتاب اور
 روایت کو نیا یا قرآن کی حفاظت کی کیفیت تو یہ پائی کہ ہزار حافظ موجود اور انہیں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ قرون سابقہ میں بھی
 یہی طور تھا اور ہر اہتمام حفظ روایت کی کیفیت کہ روایت کے حسب نسب و سکونت و سن و سال حفظ و زیان امانت و دیانت زہد
 و تقویٰ قرن طبقہ سب کچھ معلوم اور تنقیح روایات میں ان سب پر نظر آنکی قرآن میں یہ لکھا ہوا ان اول بیت وضع للناس
 للذی بینکما خلاصہ یہ ہے کہ سب میں پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا یہ ہے جو مکہ میں ہے اور انکی احادیث میں یہ مضمون کہ آخرت
 اجسام موجودہ سے پہلے پانی تھا انہیں اول سجگاہ جہان خانہ کعبہ ہے بلبلہ سا اٹھایا جھاگ سے آئے اور وہیں سے زمین کی بنائے
 ہوئی غرض اس آیت اور اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ٹکڑا زمین کا اور یہ گھر سب کا مبداء ہے اسلئے اس مبداء کائنات کو جس مبداء
 زمین و سماں کے تقابل پیدا ہوا پھر چوبہ عرض مذکور گنجائش حجاب نہیں ورنہ جیسے در صورت حجاب زمین میں آفتاب کی روشنی
 نہیں رہتی ایسے ہی در صورت حجاب موجودات یعنی مخلوقات میں وجود کے بقا کی کوئی صورت نہیں عرص حجاب نہیں پھر تقابل
 موجود قابلیت انعکاس موجود سامان ظلمت موجود پھر کیا معنی کہ انعکاس نہ ہو۔ اسلئے باقیین یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فضا
 کعبہ میں تجلی ربانی ہے اور وہ مقید فی الفضاء اور مقید فی الجہت نہیں ورنہ وہ مقید فی الفضاء ہو تو عکس آفتاب کو آئینہ میں
 مقید کہنا ٹپکا مالانکہ مقدار و ضخامت آئینہ سے ظاہر ہے کہ آئینہ احاطہ آفتاب اور عکس آفتاب کی وسعت نہیں وہ فقط ایک
 نمائش گاہ ہے مگر آئینہ لکڑی یا شیشہ ہے اور عکس یا اہل کو محیط نہیں تو فضا مذکور کو بھی نمائش گاہ ہی سمجھو محیط نہ سمجھو جہت نہ وال
 تنزیہ بہتر آئے بالجملہ موجود وہ تجلی ہے اور فضا مذکور اسکے لئے نمائش گاہ اور دیوار بن اس نمائش گاہ کی حدود یہ نہیں کہ موجود ہو
 ہاں مسجد الیٰ یعنی قبلہ میں۔ اور جب دیوار میں مسجد موجود نہیں تو پھر شیشہ دیوار پرستی اور مساوات بت پرستی خیال نظم علیٰ ہذا القیاس
 یہ کہنا بھی غلط کہ سب بھی مسجد الیہ میں موجود اور مسجد نہیں کیونکہ اول نوبت پرستی کا لفظ اور بت پرستی کی نیت اسکے غلط ہوئے
 پر شاہد و سکرانین اسکی ریافت ہی نہیں کہ وہ تجلی گاہ خداوندی ہے نہ کچھ نہیں وہ مناسبت ہی نہیں جو سامان ظلمت میں ہے
 چنانچہ فقدان وجہ مناسبت سے جکا ذکر اور پھر چکا ہے ظاہر ہے اسلئے یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ بت پرست یا شیعوں کو کفر و الحاد اور

شرک کے بنیاد پر اصل میں بت مسجود الیہ تھے جاہلون نے مسجود اور عبود بنالیا اگر کوئی بتوں کو مسجود الخیر مجکر پیش معلوم نہ جالائے تو
بھڑکیا قباحت ہے! انھیں مسجود الیہ کو یہ ضرور ہے کہ وہ تجلی گاہ مسجود ہو ورنہ مسجود الیہ کا مسجود الیہ ہونا غلط ہوگا مگر جب یہ ٹھہری کہ مسجود الیہ کو
ایک مسجود جیسے جسمین جلوہ افروز ہوا تو چون میں وہ مسجود جلوہ افروز نہیں ہو سکتا تو پھر یہ غریبہ تراگناہ پیش نہیں جاسکتا کہ
جاہلون نے بتوں کو مسجود بنالیا ہے ورنہ حقیقت میں بت مسجود الیہ تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الاحال و حفظ

تفسیر مفصل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین وآلہ وصحبہ واہل بیتہ وذریتہ وارواحہ جمعین۔

اول ایہ بات عرض کرتا ہوں اسکے بعد اصل مطلب عرض کروں گا۔ دل میں اگر سخاوت ہوتی ہے تو داود و ہش کی نوبت
آتی ہے۔ دل میں شجاعت ہوتی ہے تو میدان کارزار میں ثابت قدمی ظاہر ہوتی ہے۔ ختمہ ہوتا ہے تو اور حرکات ظاہر ہوتی ہیں
اور عطف و مہربان ہوتی ہے تو اور بھی کچھ نمایاں ہوتا ہے غرض جو کیفیت دل و جان بطاری ہوتی ہے اسکے مناسب ہی جسم سے حرکت
صاوار ہوتی ہیں پھر کوئی کہہ دے کہ جسے کہ کیفیت عبادت دل پر عارض ہوا جسم سے اسکے مناسب کوئی حرکت صاوار ہو مگر حقیقت عبادت
یہ ہے کہ اپنے عبود کے سامنے آداب و نیاز و خیر کا اظہار کرے اسلئے یہ ضرور ہے کہ عابد و عبود میں آنا سامنا ہو سو
عبادت روحانی کے لئے وہ ذات بچوں و بچکوں کافی ہے وہ اگر قید مکان سے منفر ہے تو روح بھی مکانی نہیں چنانچہ انکی
صفات ذاتیہ مثل علم و ارادہ و محبت وغیرہ کا قید مکان سے منفر ہونا سپر شادی مدہ یہ صفیتیں بھی مکانی ہوتیں مگر چونکہ جسم مقیم
فے الجہت ہے تو اسکے آئینے سامنے ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ طرف ثانی بھی جہت سے تعلق رکھتا ہو مگر جب عبادت جسمانی مثل حرکات
غضب و عطف و سخاوت و شجاعت کیفیت باطنی پر متفرع ہوتی تو لازم ہوتا ہے کہ جیسے اور حرکات جسمانی مذکورہ اسی سے متعلق
ہوتی ہیں جیسے کیفیات باطن کا تعلق ہوتا ہے ایسے ہی عبادت جسمانی بھی اسی ذات پاک سے متعلق ہوگی جس سے کیفیت باطنی کو
تعلق ہے۔ مگر اسکا قید مکان میں آنا محال ہوا اور عبادت جسمانی سے تعادل جہت متصور نہ تھی اسلئے یہ ضرور ہوا کہ جیسے آفتاب
باوجودیکہ اصلاً اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرنا پر آئینہ میں جلوہ افروز ہوتا ہے اور اس لئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ آفتاب آئینہ سے
باہر ہے اور پھر آئینہ میں ہی ایسے ہی وہ ذات پاک عبود و عالم جہت سے باہر رہے اور پھر جہت میں رونق افروز ہوتا کہ اسکے
منفر یہ میں فرق نہ آئے اور عبادت جسمانی ٹھکانے سے لگے۔ مان یہ شہد باقی رہا کہ جیسے جلوہ آفتاب آئینہ میں ممکن ہے
اس طرح جلوہ خداوندی بھی کہیں ممکن ہے یا نہیں اسلئے یہ گزارش ہے کہ عکس آفتاب کے لئے دو باتیں ضرور ہیں ایک تو یہ کہ
جس میں انعکاس ہو وہ بھی مثل آفتاب از قسم اجسام ہو۔ ورنہ احاطہ اور ظرفیت جو اسکی جلوہ افروزی کو لازم ہے کہانے اسکی
چنانچہ یہ کہنا کہ آئینہ میں عکس آفتاب خود اس پر شادی ہے کہ ظرفیت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آواز اور خوشبو و بو وغیرہ
کیفیات میں جو از قسم اجسام نہیں انعکاس آفتاب ممکن نہیں ہو سکتا یہ کہ جسم بھی ہو تو ایسا ہو کہ اسکی ظلمت ذاتی نہ ہو

یعنی صاف و شفاف ہوتا کہ اسکی ظلمت مانع نفوذ نور نہ ہو ورنہ نور آفتاب اور وہ ظلمت باوجود تضاد ایک عمل میں مجتمع ہو جائے
 گے مگر جیسے اس شرط اخیر کی ضرورت بغرض منع تضاد ہو اگر غور کیجئے تو شرط اول کی ضرورت بھی اسی غرض سے ہے کیونکہ
 جسمیت اور کیفیات مذکورہ میں بھی تضاد ہو یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شے قابل بقاء بھی ہو اور از قسم کیفیات بھی ہو
 کیونکہ کیفیات قابل بقاء نہیں اور اجسام قابل بقاء ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر کیفیات مذکورہ محل تجلی آفتاب ہوں تو وجہ
 احاطہ مشار الیہا وہی قابلیت بقاء لازم آئے گی۔ حال تجلی اور عکس کے لئے یہ ضرور ہے کہ تجلی اور قابل تجلی میں تضاد نہ ہو مگر
 ظاہر ہے کہ مطلق اور مقید میں تضاد نہیں ہوتا بلکہ مقید میں مطلق جلوہ افروز ہوتا ہے۔ نہ افراد انسان انسان نہ کہلائین کیونکہ
 افراد انسانی مقید ہیں اور خود انسان مطلق نہیں اور مقیدین یعنی خصوصیتیں لگباتی ہیں تو میں تم زید و عمرو بنجالتے ہیں۔ علی
 ہذا القیاس اور مقیدیات اور مطلقوں کو خیال فرمائیے۔ مگر یہ ہے تو پھر وجود مخلوقات کو جو بالبداہتہ وجودات خاصہ میں
 وجود مطلق کے ساتھ بھی تضاد نہ ہوگا بلکہ جیسے ہر مقید میں مطلق جلوہ افروز ہوتا ہے ویسے ہی وجودات مقیدہ اور وجودات
 خاصہ میں وجود مطلق کی جلوہ افروزی ہوگی۔ بلکہ وجود مطلق کا وجودات مقیدہ میں مدفق افروز ہونا بدرجہ اولیٰ
 ضروری ہے ورنہ مطلق اور مقیدیات کا وجود بھی نہ ہوگا جو ایک دوسرے میں جلوہ افروز ہوا یہ بھی ظاہر ہے کہ وجود مطلق
 ایک صفت ہے مگر خصوصیات اور مقید کے حق میں بمنزلہ حرارت آب گرم اور روشنی زمین ایک وصف تارضی اور خارجی ہے
 مثل زوجیت اثنین اور فردیت ثلثہ صفت ذاتی نہیں ورنہ وجود اور خصوصیات مشار الیہا میں دائمی ارتباط رہتا اور جسکے
 سبب ادنیٰ تبدیلی ہوتے۔ انفصال ممکن ہی نہ ہوتا جو عدم سابق یا عدم لاحق کی نوبت آتی۔ اسلئے یہ ضرور ہوا کہ جیسے آب و
 آب گرم اور روشنی زمین آتش و آفتاب کے فیض ہوتے ہیں جنکے حق میں حرارت اور روشنی صفت ذاتی اور صفت خانہ زاد
 ہیں ایسے ہی وجودات خاصہ کسی ایسے موجود کا فیض ہو جو بذات خود موجود ہو یعنی وجود اسکے حق میں صفت خانہ زاد
 اور صفت ذاتی اور مثل زوجیت اثنین و فردیت ثلثہ کے حق میں لازم ذات ہو ہم اسی کو خدا کہتے ہیں۔ مگر غور سے
 دیکھا تو صفات ذاتیہ کو مثل ہر ایا و مناظر یعنی آئینہ حیات منظر و نمائش گاہ موصوفیہ یا سی وجہ ہر کیف صفات ذاتیہ کی اطلاع ذریعہ اطلاع
 موصوفات ہجاتی ہو اگر صفات ذاتیہ منظر اور نمائش گاہ موصوفات نہیں ہوتیں تو یہ اطلاع کہاں سے آئی نمائش گاہ اور منظر میں
 سوائے اسکے اور کیا ہوتا ہو کہ اسکی طرف توجہ کیجئے تو ایک دوسری چیز معلوم ہو جائے سو یہ بات پوری پوری صفات ذاتیہ میں
 موجود ہو اور یہی وجہ ہو کہ وقت نمائش صفات ذاتیہ مثل منظر ہر کیف موصوفات کو محیط معلوم ہوتی ہیں ورنہ جیسے آئینہ اصل
 میں اشیاء ظاہرہ کی نسبت محیط نہیں ہوتا چنانچہ ظاہرہ ایسی صفات ذاتیہ اپنے موصوفات کو اصل میں محیط نہیں ہوتیں بلکہ
 قصہ برعکس ہوتا ہو کیونکہ صفات مذکورہ اسی سے صادر ہوتی ہیں۔ اگر موصوفات صفات مذکورہ کو محیط نہ تھی تو صفات کا صادر ہونا
 اور موصوفات کا مصدر ہونا کس طرح ممکن ہو۔ اور جب قبل صدور احاطہ بطور مذکور تھا تو بعد صدور اسکا انقلاب ہو جانا ممکن نہیں
 ورنہ یہ لازم آئے کہ چھوٹی چیز اپنے سے بڑی چیز کو محیط ہو جائے بلکہ محیط محیط ہے۔ اور پھر محیط ہو جائے اور محیط محیط ہے اور پھر

محیط بنجائے کیونکہ صدور صفات کے معنی کہ صفات انہی علمہ ہو گئیں اور اب کچھ علاقہ زیادہ نہ یوں کہہ چکے ہیں اس سے علاقہ
 تھا بلکہ جیسے طرف میں کوئی شے رکھی ہوئی ہوئی ہے ایسے ہی صفات میں موصوف میں رکھی ہوئی تھیں مگر یہ ہے تو جو موصوفات کو
 نسبت صفات ذاتیہ علت کہنا غلط ہوگا اور یہ کہنا ٹھیک ہے جیسے موصوفات یعنی موصوفات بالعرض میں موصوف بالذات کا فیض تھا
 موصوف بالذات میں بھی کسی اور کا فیض ہے بلکہ اس کا موصوف بالذات ہونا ہی غلط ہے کیونکہ ہم اپنی اصطلاح کے موافق موصوف بالذات
 انکو کہتے ہیں جسکی صفات اسکی خانہ زاد ہوں کسی اور کا فیض نہ ہو اور موصوف بالعرض اسکو کہتے ہیں جس میں اور کا فیض ہو۔ باجملہ جو
 مذکور چار ناچار ہی کہنا پڑے گا کہ احاطہ موصوفات نسبت صفات بہ طور ہے پر وقت علم مادہ کی کیفیت احاطہ منقلب معلوم ہوتی ہے اور جو
 انقلاب یہ ہوتی ہے کہ قوت اور اکیہ اور قوت طلسمیہ میں وقت اور اک معلومات کا انعکاس ہوتا ہے چنانچہ کیفیت دیدار سے واضح ہے کہ جب
 مخروط شعلہ بگاہ کسی چیز کو محیط ہوتا ہے تو گروہ کرہ ہوتا ہے تو اسکی شکل کردی آتی ہو کر اس مخروط میں نقش ہو جاتی ہے
 یعنی اس کرہ کے انبار کے پے مخروط مذکور میں لہراؤ ہو جاتا ہے باجملہ جوبات جس علمہ کے اور اس کے قابل ہوتی ہے اس بانکا
 انعکاس ضروری ہے سو ابھار دیکھو کہ اور اک انکسوس کے متعلق ہے مگر یہ ہے تو پھر احاطہ میں بھی وقت اور اک ہی بات ہوتی ہے
 مگر انعکاس احاطہ ہی ہے کہ محیط احاطہ اور محیط محیط ہو جائے۔ سو جیسے ابھری ہوئی چیز میں گہراؤ نہیں ہوتا۔ مگر وقت انعکاس
 ابھار کی جگہ گہراؤ آجاتا ہے ایسے ہی محیط محیط نہیں ہوتا پر وقت انعکاس جو علم کو لازم ہے قصہ منکس ہو جاتا ہے اور جو
 محیط محیط اور محیط محیط معلوم ہوگا کیونکہ معلوم اصل میں وہی صورت نقشہ ہوتی ہے وہی وجہ ہے کہ وقت غیبت ذی صورت
 بھی علم باقی رہتا ہے باقی بعض اشیاء میں جو حقیقت انعکاس سمجھ میں نہیں آتی تو اسکی یہ وجہ ہے کہ ہر چیز کا انعکاس حد ہوتا ہے
 ایک انعکاس کو دوسرے انعکاس پر قیاس کرتے ہیں جو یہ وقت پیش آتی ہے ورنہ بعد وضوح حقیقت علم ہمیں تامل کی گنجائش
 نہیں کہ وقت علم اشیاء انعکاس معلوم ضروری ہے چنانچہ کیفیت دیدار و بصائر کو غور کیجئے تو یہ بات عیان معلوم ہوتی ہے کہ
 آئینہ بیان بھی فوق و تحت منقلب ہو جاتا ہے اور میں و بیار منکس ہے جیسے آئینہ میں کسی چیز کو فوق و تحت و میں و بیار
 دیکھ کر اس کو اس کے برعکس سمجھتے ہیں ایسے ہی علم میں بھی یہی قصہ ہے۔ مگر چونکہ انکشاف حقیقت و کیفیت اصل میں باوقاف
 کچھ دیر نہیں لگتی تو عکس کی کچھ خبر نہیں ہونے پاتی احوال صفات ذاتیہ اصل میں محیط ہوتے ہیں پر بظاہر محیط معلوم
 ہوتے ہیں مگر چونکہ قالب اور علم میں انعکاس منقلب معلوم ہوتا ہے اور آئینہ وغیرہ مظاہر میں انعکاس علم اسلئے یہ ضروری ہے
 کہ اگر کوئی چیز ناگاہ صفات ذاتیہ ہی تو موصوف بھی کیفیت خارج کے ساتھ اس نمایش میں جلوہ افروز ہو۔ تفصیل اس
 اجمال کی یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ مزایا و مناظر میں بوجہ قلعی وغیرہ جو سامان ظلمت ہوتے ہیں جب بگاہ کو لگے نفوذ کے لئے راہ نہیں
 ملتی تو جیسے گیند ٹکرا کر پھلتی ہے اور جب ہر سے آتی ہے اور ہر سے کو ہٹ آتی ہے ایسے ہی بگاہ قلعی وغیرہ موانع نفوذ پر ٹکرا کر
 پیچھے کی مٹی ہے اور جب ہر سے آتی ہے اور ہر سے کو جاتی ہے اور اسوقت جو چیز اس کے احاطہ میں آجاتی ہے وہ نظر آنے لگتی
 ہے۔ مگر چونکہ اسوقت بھی وہی بگاہ سامان بصائر ہی ہو قبل توسط آئینہ تھی فقط آئینہ پٹنے کا سامان ہے اور کچھ نہیں

جس کیفیت پر اشیاء محسوسہ ہوتی ہیں اور قبل توسط آئینہ معلوم ہوتے ہیں اسی کیفیت پر اب بھی معلوم ہوگی۔ کیونکہ یہاں
 انعکاس علم یعنی انعکاس طے ہوتا ہے جو سامان دیدار ہے اور جاری غرض علم سے وہی قوت ہے جو سامان علم ہو۔ اسوجہ سے یوں کہتے
 ہیں کہ انعکاس علم ہے انعکاس معلوم نہیں اور قوت علم سے تعلق کے وقت اپنے معلوم کے ساتھ جو انعکاس ہوتا ہے تو مثل انقلاب معلوم
 فی انقلاب ہے انعکاس معلوم ہوتا ہے چنانچہ کیفیت دیدار سے واضح ہے کہ مخروط شعاع گنگا لکڑہ کو محیط ہوتا ہے تو اس کر کے اُبھار
 کی جگہ مخروط شعاعی میں گہرا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ معلوم حقیقی وہی شکل ہوتی ہے جو قوت علم سے منقش ہوتی ہے۔ اسلئے یہ ضرور ہے
 کہ احاطہ کا علم ہو تو بانی وجہ کہ وقت علم انعکاس معلوم ہوتا ہے یہ لازم ہے کہ محیط احاطہ معلوم ہو اور محیط احاطہ اور اس علم و قالب کی
 اور نمائش گاہ میں انعکاس ہو تو بانی وجہ کہ اشیں انعکاس علم ہوتا ہے انعکاس معلوم نہیں ہوتا یہ ضرور ہے کہ محیط بدستور سابق محیط
 اور محیط بدستور سابق محیط انقصہ اگر سوائے قالب و علم کسی نمائش گاہ میں انعکاس ہو تو یہ ہوگا کہ احاطہ منطوقہ دوبارہ منعکس ہو کر اپنی
 اصل پر آجائے اور صفات محیط اور موصوف محیط معلوم ہونے لگیں بلکہ جیسے آفتاب اور نور آفتاب آئینہ میں انعکاس کے بعد بھی سطح
 محیط اور محیط نظر آتے ہیں جیسے قبل انعکاس نظر آتے تھے ایسے ہی بیان بھی بدستور سابق صفات محیط اور موصوف محیط نظر آئے گا
 علاوہ برین موجودات خاصہ میں سے اگر کوئی چیز نمائش گاہ وجود ہوگی تو یہ معنی سمجھئے کہ ایک معروض نمائش گاہ صفت عارضہ
 کیونکہ سوائے ذات پاک جناب باری کوئی شے ایسی نہیں جس کے حق میں جو صفت ذاتی اور لازم ذات ہو اور حسب لازم ذات
 تو یہ معنی ہے کہ وجود معلول منصوص نہیں یعنی اس موصوف سے صادر نہیں ہوا اسلئے خواہ مخواہ ہی کہنا پڑے گا کہ جو عارضہ ہے
 مگر وجود کو کسی چیز عارض مانا تو وہ چیز باطن وجود میں ایسی طرح منعکس ہوگی جی طرح باطن قالب میں صورت مقلوب کیونکہ عارض
 معروض کو ایسی طرح محیط ہوتا ہے جیسے نور آفتاب زمین وغیرہ اشیاء کو تا حد عرض محیط ہوتا ہے بالجملة معروضات وجود باطن
 وجود میں منعکس ہونگے پھر ان عکس میں سے اگر کوئی عکس نمائش گاہ وجود ہے تو کیفیت احاطہ کا بحالت حساس باقی رہنا ضرور
 ہے کیونکہ موجودات اصل میں اگر انعکاس ہوتا تو حالت محسوسہ منعکس ہو جاتی اور اسوجہ سے کیفیت احاطہ طالت اصلی پر آجاتی۔ مگر
 جب خود عکس کو ملوہ گاہ احد نمائش گاہ حالت محسوسہ فرض کیا تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ حالت اصلی پر لکڑ قصہ الٹ گیا۔ اس حال میں یہ شبہ نہ ہو کہ جو
 اگر کسی نمائش گاہ میں نمایاں ہو تو لازم یوں تھا کہ وجود محیط اور مصدر وجود محیط نظر آئے پھر انطباق مثال آفتاب و آئینہ
 کی کیا صورت ہوگی لہذا یہ عدم انطباق طلب کے حق میں قاض نہیں بلکہ اور بھی مفید ہے۔ اور کیوں نہ ہو جو اگر
 کیفیت اصلی پر ملوہ افزہ ہو تو بحالت جسمانی کے ٹھکانے سر لگ جانے میں کوئی دشواری ہی نہ ہوگی۔ مگر چونکہ نمائش گاہ وجود
 کو وجود کے ساتھ ایسی نسبت ہوگی جیسے آئینہ کو آفتاب کے ساتھ تو جیسے آئینہ میں بھی آفتاب کا نور سب طرح اسکو محیط معلوم
 ہوتا ہے جیسے یوں معلوم ہوتا ہے ایسے ہی اس نمائش گاہ میں بھی وجود نہ کہ جمال خداوندی کو محیط معلوم ہوگا جی طرح
 یوں معلوم ہوتا ہوگا اسلئے اتنا کہنا ضرور پڑا کہ صحت قاعدہ میں کچھ شک نہ ہو کہ جب یہ مرحلہ ہو چکا تو آگے سینے
 اگر کوئی معروض صفت عارضہ کے ساتھ زیادہ مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے تو جیسے صفت عارضہ اپنے موصوف

یعنی موزون ذاتی کو حق میں نمائش گاہ تھی یہ معرض اس صفت کی نمائش گاہ بن جاتا ہے دیکھ لیجئے آئینہ بانو جو کہ جسم پر معرض قرار
ہوتا ہے کیونکہ نور شمس و قمر وغیرہ قابل ابعاد ہے اس لیے جو زمین یعنی اس فضا اور خلا اور امتداد میں جو زمین و
آسمان کے بیچ میں نظر آتا ہے اور جسمیں تمام عالم اجسام سے ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں نور ساما ہوا ہوتا ہے اور اس لیے جو سے وقت
انعکاس آئینہ میں نور اسی امتداد اور بعد اور خلا کے ساتھ نظر آتا ہے مگر چونکہ نسبت اور اجسام کے آئینہ کو اس کے ساتھ زیادہ
مناسبت ہے تو آئینہ نمائش گاہ نور مذکور ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے بقدر تقابل نور کی شکلیں زمین منعکس ہو جاتی ہیں مطلب یہ
کہ جیسے نور مذکور سدا گاہ نہیں ہوتا ایسے ہی آئینہ سدا گاہ نہیں ہوتا اس لیے جیسے جو جہ حلال اجسام نور میں طرح طرح کی صورتیں
اجسام کی صورتوں کے مطابق منعکس ہو جاتی ہیں ایسے ہی آئینہ میں وہ صورتیں بشیہ تقابل منعکس ہو جاتی ہیں اسی پر
وجود کو قیاس کر لیجئے یعنی جیسے آئینہ اور نور میں تناسب ایسا ہی اگر وجود اور کسی اور جسم میں تناسب ہوگا تو یہی نمائش گاہ
انتقاس یا سنا پڑیگا۔ مگر غور سے دیکھا تو جو نسبت آئینہ اور نور میں ہے وہی نسبت بعد مذکور اور وجود میں موجود ہے کیونکہ اول نور
جیسے وجود اپنے تحقق میں موجودات کا محتاج نہیں بلکہ موجودات اپنی تحقیق میں وجود کے محتاج ہیں ایسے ہی اس عالم
البعاد میں بعد وجود اپنی تحقق میں کسی جسم یعنی قابل ابعاد کا محتاج نہیں بلکہ تمام اجسام اپنے تحقق میں بعد وجود کے محتاج ہیں
دوسرے وجود اگر غیر محدود ہے تو بعد وجود بھی محدود نہیں غرض یہ ہے کہ ہر مقید کو ایک مطلق چاہیے اور ظاہر ہے کہ مطلق نسبت مقید
وسیع اور فراخ ہوتا ہے سو وجود اگر مقید ہو تو اس کے اوپر کوئی مطلق چاہیے جو نسبت وجود زیادہ واسع ہو مگر ظاہر ہے کہ وجود سے
عام اور واسع کوئی مفہوم نہیں۔ اس لیے وجود کی سطح مقید نہیں ہو سکتا بلکہ جمیع الوجوہ مطلق ہے یعنی جیسے اور مطلق کیسی
نسبت مطلق اور کیسی نسبت مقید ہوتے ہیں وجود میں یہ بات نہیں وہ مطلق ہی مطلق ہے مقید ہونے کی کوئی وجہ نہیں نہیں
مگر جب وجود جمیع الوجوہ مطلق ہوا اور کسی وجہ سے مقید نہ ہوا تو جمیع الوجوہ وجود کو غیر محدود اور غیر متناہی کہنا پڑیگا۔ کیونکہ محدود
ہونے کے لیے بالبدانہ انتہا اور احاطہ کی حاجت ہے اور ظاہر ہے کہ اس کو مقید کہتے ہیں جس کے باعث مقید کو مقید کہتے ہیں۔ مگر
جب وجود موافق تقریر مذکور محدود ہے ایسا ہی بعد وجود بھی باعتبار ابعاد امتداد غیر محدود اور غیر متناہی ہے چنانچہ عقل
سلیم بالبدانہ اس پر شہادہ ہے کہ جہاں تک بعد نکلو کہ تصور کیجئے اس سے آگے بھی تصور اسکا پتہ دیتا ہے بخلاف جہاں
کے انہیں یہ بات نہیں کہنا ہی پڑا تصور کیجئے مگر یہ تصور اسلام ہوتا ہے کسی حد کے اندر ہی ہوتا ہے علاوہ برین اگر بعد
محدود کہتے تو اس کے لئے کوئی اور بعد یا سنا پڑیگا چنانچہ عقرب انشاء اللہ یہ عقیدہ کھلا جاتا ہے۔ جیسے وجود اپنے
تحقق میں مادہ کا محتاج نہیں بلکہ مادہ سے مندرجہ ایسے ہی عالم ابعاد میں بعد وجود بھی اپنے تحقق میں مادہ کا محتاج نہیں
بلکہ مادہ سے مندرجہ ہے۔ چوتھے وجود اپنے حال میں دائم قائم ہو کسی طرح کسی قسم کی حرکت اس میں متصور نہیں ورنہ
جیسے مکان و کیف و کم وغیرہ حرکت مکانی وغیرہ میں پہلے سے بھی اور حالت حرکت میں بھی اور بعد حرکت بھی متحرک
مجہد ہوتے ہیں وجود کے لئے بھی کوئی محیط ہوتا اور یہ اسکی لانتناہی اور اطلاق علی الاطلاق جو اور ثابت ہو چکی ہے

حرف غلط کی طرح ہر عقل تسلیم نہیں کرتے علاوہ برین حرکت کے یہ ایک تصور چاہیے مگر یہ ماننا ہوتا ہے کہ کسی کمال کا استیلاء ہوا تو وہ کمال بابل نہ ہوا و ظاہر ہو کہ وجود خود منبع جمیع کمالات ہی وہی وجہ ہو کہ کمال حدوث بقا میں وجود صاحب کمال کا محتاج ہو اگر وجود منبع و مصدر کمالات نہ ہوتا تو پھر یہ احتیاج غلط ہوتی ہے وجود بھی حدوث و بقا بالکمالات ممکن ہوتا چنانچہ یہی ہے کہ جو کچھ ہے وجود تک حرکت کو سائی نہیں ایسے ہی عالم اعلیٰ میں بعد مجرد تک حرکت کو سائی نہیں اگر اس پر کوئی حرکت عارض ہوتی تو یہ حرکت مکانی ہو مگر بالبدلتہ اس حرکت سے یہ بعد مجرد منسوخ ہو نہ بعد کے لئے اور بعد چاہیے جو حرکت مکانی تصور ہو۔ پانچویں جو خرق و التیام سے بچا ہوا ہے ورنہ اسکے اوپر کوئی ایسا مفہوم واسع چاہیے جسکے اعتبار سے خرق و التیام ممکن ہو یعنی جیسے خرق و التیام جسم سے معنی ہیں کہ اجسام کے ٹکڑوں کے درمیان بعد مجرد کا کوئی ٹکڑا لگاتار اس کا نام خرق و اختراق ہی نہیں تو التیام اظہار ہے کہ بعد مجرد تمام اجسام کو محیط اور شامل ہی ایسے ہی وجود قابل خرق و التیام ہو تو اسکے لئے کوئی مفہوم محیط اور شامل چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ وجود سے اوپر کوئی مفہوم عام نہیں جو اس کو محیط ہو چنانچہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جو کچھ ہے وجود خرق و التیام کی آلائش سے پاک ہے ایسے ہی مجرد بھی خرق و التیام سے منسوخ ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ چھٹے جو معرض خصوصیات جملہ موجودات ہے اور کیوں نہ ہو عدم معرض خصوصیات موجودات نہیں ہو سکتا اور خود خصوصیات کو نہ کو معرض وجود کہیے تو قبل وجود تحقق موجود لازم آئے کیونکہ وجود معرض قبل موجودات ضروری ہے اور موجودات اور وجود میں لزوم ہائیے تو پھر اس حدوث و عدم موجودات کی کوئی صورت نہیں کیونکہ وجود انہی عوارض ضروری ہے ورنہ عرض عدم لازم آئے اولیک ضد کا انصاف دوسری ضد کے ساتھ تسلیم کرنا پڑے اور ظاہر ہے کہ یہ بات اس سے بھی بڑھ کر محال ہے کہ دونوں ضد میں کسی ایک کو صوف میں مجتمع ہو جائیں کیونکہ وہاں تو بجز اجتماع اور کچھ نہیں اور یہاں علاقہ انصاف بھی باہم ہوگا۔ غرض جب فقط اجتماع محال ہے تو تعلق باہمی کے ساتھ اجتماع بدیہ اولیٰ محال ہوگا باجملة وجودات اور ان خصوصیات میں جسکے ذیل سے موجودات باہم متمیز ہیں ہی علاقہ ہے کہ وہ خصوصیات عارض ہیں اور وجود معرض اظہار ہے کہ خصوصیت متمیز ہے حقیقت شے ہوا کرتی ہے۔ اسلئے یلین کہنا پڑے گا کہ تمام حقائق موجودات اور وجود پر عارض ہیں اور وجود کے حق میں معرض اگرچہ باعتبار اظہار قصہ عکس ہے چنانچہ اسی بنا پر کلام گذشتہ میں وجود کو عارض موجودات قرار دیا ہے مگر یہی علاقہ عینہ خصوصیات اجسام اور بعد مجرد میں ہو بعد مجرد بھی معرض اشکال اجسام ہوتا ہے جو ہمیشہ حقیقت حقیقہ اجسام میں اگرچہ قصہ عکس ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ جب ان جہات اور وجود متشکلانہ میں وجود اور بعد مجرد باہم متناسب و متساویک گرہونے تو جیسے وجہ تناسب آئینہ نور و بعد مجرد آئینہ جو بظاہر معرض بعد مجرد حقیقت میں عارض بعد مجرد ہی منظر نور و بعد مجرد ہوتا ہے ایسے ہی وجہ تناسب کے لئے لازم ہوں جسکے بعد مجرد جو بظاہر معرض وجود حقیقت میں عارض وجود ہی منظر وجود بنے وہاں اگر اسکی ضرورت کے لئے نمایش انطباع و انعکاس کے لئے نور بھی ہو اور اگر برقعہ قلبی وغیرہ پشت آئینہ سے متصل غلط ہو جو صفائی آئینہ سے مخالف بالذات ہے تاکہ گاہ کو وجہ کا وٹے کا موقع ملے اور نہ ان انعکاس پیدا ہو تو یہاں نور وجود کے بعد کسی اور نور کی تو ضرورت نہیں آئینہ سامان غلط ہے چنانچہ سامان غلط نہ کہ عدم کو جو تمام موجودات خاصہ کی ایسی طرح محیط ہے جیسے سایہ من بعد روشنی ان کی دھوپ کو محیط ہوتا ہے شرط انعکاس نہیں ہے اور ظاہر ہے

کہ ظلمت عدم پر صحرای ظلمت نہیں جیسے نور وجود سے بڑھ کر کوئی نور نہیں کیونکہ نور کا کام ظہور و انہار ہے اور ظلمت کا کام خفا و غما۔ سو دیکھ لیجئے عدم سے زیادہ کوئی خفی نہیں اور چونکہ وجود اس کے مقابل میں ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی ظاہر ہو گا اور ہو تو کیونکر ہو گا ہر ظہور کے لئے وجود شرط ہے مگر جیسے بوجہ تفاوت مراتب نور مراتب ظہور بھی متفاوت ہوتے ہیں ایسے ہی بوجہ تفاوت مراتب وجود ظہور میں بھی فرق ہوتا ہے جیسے نور بوجہ کمال ظہور خفی ہوتا ہے وہی وجہ ہے کہ نور شمس و قمر وغیرہ زمین و آسمان کے بیچ پھیلا ہوا ہوتا ہے اور پھر نظر نہیں آتا اور سوائے کہ وہ اشیاء جو بوسیلہ انوار مذکورہ ظاہر ہوتے ہیں بقدر تفاوت انوار شمس و قمر ظہور میں بھی متفاوت ہوتے ہیں ایسے ہی وجود بوجہ کمال ظہور باوجودیکہ تمام کائنات میں پھیلا ہوا ہے خود نظر نہیں آتا اور وہ اشیاء جو بوسیلہ عرض وجود موجود ہوتے ہیں بقدر تفاوت مراتب وجود ظہور میں متفاوت ہوتی ہیں مطلب ہے کہ جیسے اصل میں نور و آفتاب کا ہونا ہے اور قمر کو اک واسطہ ہوتے ہیں اور اس لئے بقدر وقت قابلیت و مقدار وسائل مذکورہ نور میں کمی بیشی پیدا ہو جاتی ہے ایسے ہی وجود نور اصل میں خدا کا ہے اور عقل و اسباب نقطہ و سلاطین انکی قابلیت اور مقدار کے موافق انہیں وجود آتا ہے اور اس لئے معلولات کے وجود میں فرق پیدا ہو جاتا ہے یا بوجہ عیسے بمقابلہ انوار ظاہرہ ظلمت سے جس کو اندر سے کہتے ہیں ایسے ہی بمقابلہ وجود عدم و انعکاس نور شمس و قمر وغیرہ اور انعکاس نور نگاہ کیلئے جیسے ظلمت ظاہرہ شرط ہے ایسے ہی انعکاس نور دیدہ بصیرت اور انعکاس نور وجود کے لئے ظلمت عدم شرط ہے اور چونکہ بعد مجرور و مجملہ موجود خاصہ یعنی مجملہ وجود مقیدہ ہے توجہت عدم وجود کے سوا عدم کا اس کے متصل ہونا ضروری تاکہ خصوصیت متمیزہ مذکورہ پیدا ہو ورنہ پھر وہ موجودات خاصہ نہ ہونگے بلکہ وجود مطلق یعنی خدا ہونگے۔ اس صورت میں بعد مجرور و مجملہ اگر منظر وجود ہے اور اسکی ذات بابرکات خداوندی جو حسب بیان سابق وسط وجود میں ایسی طرح جلوہ افروز ہے جیسے وسط کونہ شعاعی میں آفتاب رونق افروز ہے اس بعد مجرور میں منعکس ہو جا تو استعمال تو کیا لازم آئے کہ عقل سلیم اسکو ضروری سمجھنا ضروری ہے۔ اگر استعمال کیے تو اس سے زیادہ اور کیا کہنے کہ تجلیات ذاتیہ خداوندی کو مقید فی الجہت کائنات پر کیا اگر بات باریک فہم والے تو کیا تسلیم کرتے ظاہر میں آدمی بھی اسکو تسلیم نہیں کر سکتے ہاں جلوہ آفتاب کو اگر آئینہ میں مقید کیے تو کیوں نہیں مگر لوں نہیں جانتا کہ آئینہ فقط ایک منظر اور نماشاگاہ ہے محل قید نہیں ورنہ آئینہ اس کو تا ہی عرض طول اور کمی ضخامت پر بھی آفتاب سے کلان مقدار کو آتش میں لے سکے تو تمہیں کہہ کتنا بڑا محال ماننا پڑیگا۔ اور جب یہ بات باوجودیکہ محال ہے قابل تسلیم ٹھہری۔ تو تجلیات ذاتیہ خداوندی کا مقید فی الجہت ہو جانا بھی دور از عقل نہیں ہو سکتا یا بوجہ بعد مجرور و مجملہ تجلیات ذاتیہ خداوندی اور نماشاگاہ تجلیات مذکورہ ہو تو سراپا عقل پر مطابق ہے اور ہرگز کوئی محال لازم نہیں آتا بلکہ لوں نہ تو محال لازم آتا ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آفتاب و قمر و کواکب بلکہ جملہ اجسام میں تو مادہ جلوہ افروزی ہو اور خداوند عالم میں جسکے نور وجود سے تمام عالم کا ظہور ہے مادہ جلوہ افروزی اور ہر نسبت آئینہ کو بعد مجرور کے ساتھ ہی وقت نمایش وہی نسبت نور کے ساتھ ہونی چاہیے کیونکہ نور مذکور اور بعد مجرور باہم مخلوط ہوتے ہیں اگر بعد مجرور عارض اجسام ہوتا ہے تو نور بھی عارض اجسام ہو گا وہ اگر معرض اجسام ہوتا ہے جیسے نظر غائر کہتی ہے تو نور بھی شبہات عقل سلیم معرض اشکال محسوسہ ہوتا ہے کیونکہ یہ تو ضروری ہے کہ باطن نور میں بوجہ احاطہ نور شکل اجسام متعکس ہو اور یہ بھی

ظاہر ہے کہ وقت احساس وہ شکل نورانی یعنی نقش باطن نور محسوس ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ دیکھتے کے لئے نور شرط ہے مگر یہ ہے تو پھر یہ خواہ مخواہ اقرار کرنا پڑے گا کہ نور مذکور معرض اشکال محسوس ہے گو معرض اشکال حقیقیہ و اشکال نور کے لئے مندرجہ پیمانہ و قالب میں وہ بعد مجروری ہو جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اسے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آئینہ لوہا جو صفائی اپنے عمل یا یوں کہیے اپنے معرض یعنی نور کا مظہر اور ناں گاہ بن سکے اور خود جو صفائی میں آئینہ سے کہیں بڑھ کر ہے مظہر نور جو نہ بیکمال لائقہ وجود بھی اسکے حق میں عارض با معرض ہے۔ چھتھ فاعل یعنی مادہ جلوہ افروزی موجود ہو مقابل یعنی بعد مصفا مجرور مقابل میں اور بیچ میں کوئی حجاب نہ تو یوں کہو علت تامہ انعکاس موجود ہے اس پر بھی انعکاس نہ تو یوں کہو علت تامہ کو معلول کا بنا ضرورت نہیں اور یہ ہے تو پھر یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جو نہ اپنی ذات سے یا مع الصفات علت تامہ مخلوقات ہے اسکی علت بھی مقصی معلولیت نہیں ہو سکتا ہے کہ اسکی تاثیر بھی بیکار ہو اور اس سے نہ کوئی چیز خواہ مخواہ پیدا ہو سکے اور نہ کوئی کام اس سے خواہ مخواہ بن سکے اگر کوئی کام ہو گیا یا کوئی کام بن گیا تو اتفاقاً ہی باقی تعاقب بعد مجرور میں لگتا بلکہ اسکو کیا کہیے گا کہ اگر مقابل نہ ہو گیا بیچ میں حجاب ہو گا تو پھر بعد مجرور موجود ہے کیونکر ہو گا یعنی بیسے عرض نور فنا سے کہے یہ ضروری ہے کہ اس میں نور اس کے معرض میں باہم مقابل ہو اور بیچ میں کوئی حجاب نہ ہو بلکہ موجودات اور وجود میں بھی عرض کے لئے تعاقب اور عدم حجاب ضروری ہے پھر آئینہ کی پشت پر اگر قلعی ہے اور اسکی ظلمت مانع نفوذ نگاہ ہے اور اسلئے خواہ مخواہ انعکاس نظر ضروری ہے تو یہاں بھی ظلمت علم موجود ہے جسکی ظلمت سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں۔ قصہ یہاں بھی تمام سامان انعکاس موجود ہے۔ پھر انعکاس نہ ہونے کے کیا معنی ہاں بوجہ فقدان وجہ مذکورہ جسے تناسب حاصل ہوتا تو نہیں التماساً ہے جس سے بجای امید انعکاس یقین عدم امکان انعکاس اور اسلئے بالیقین یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ تجلی گاہ بانی نہیں ہو سکتی۔ پھر قبلہ عبادت ہو سکیں تو کیونکر ہو سکیں۔ یہی جو بت اصنام اسکی نفی کی کچھ حاجت نہیں خود آشکارا ہے علاوہ برین ملا موجودیت یا محبوبیت الہی حقیقی پر یہ یا نکتہ اولیٰ ذالی پر اور اسلئے آئینہ میں التماساً تحقیق مرتبہ محبوبیت و حکومت میں یہ وضع ہو جائیگا کہ تو انکو اس بے شعوری اورستی مرتبہ پر پھر منجملہ عبادت ہونا شاید یہ لیاقت کہاں ہے اور بلکہ میں باوجود ظہور کمالات یہ لیاقت نہیں یہ دونوں باتیں خدا کے ساتھ مخصوص ہیں اور انکو نصیب نہیں ہو سکتیں۔ باوجود معبودیت بتان کو کی طرح ممکن ہی نہیں اگر ممکن ہوتا تو انکا مظہر جمال خداوندی ہونا ممکن ہوتا مگر وہ بوجہ فقدان وجہ مناسبت متع ہو گیا اور اگر بالفرض التقدير اصنام مشرکین کو مظہر جمال خداوندی کہیں تو بایں لحاظ کہیں گے کہ وہ منجملہ موجودات مقیدہ ہیں اور ہر مقیدہ میں مطلق کا ہونا ضروری ہے چنانچہ اوپر معرض ہو چکا۔ مگر اول تو یہ امر تمام اجسام بلکہ تمام مخلوقات میں مشترک اصنام ہی کی کیا خصوصیت ہے جو انہیں کو معبود بنا۔ دوسرے بوجہ مذکورہ بعد مجرور کو وجود مطلق کے ساتھ اس قسم کا قرب معلوم ہوتا ہے جیسا سطح کو جسم کے ساتھ ہوتا ہے یعنی جیسے جسم اور خط کے بیچ میں سطح ہوتا ہے ایسے ہی اجسام اور وجود مطلق کے بیچ میں بعد مجرور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جیسے وجود خط ہے سطح ممکن نہیں ایسے ہی وجود جسم کے بعد ممکن نہیں مگر یہ ہے تو جیسے ظہر جسم بطور انعکاس و تصویر خط میں ممکن نہیں ایسے ہی ظہر جمال خدا بطور انعکاس

و تصور جسم میں ممکن نہیں اسلئے یہ بھی احتمال نہیں ہو سکتا کہ کوئی نادان اہل اسلام کے مقابلہ میں ہندو کو تصور خدا ہی بتانے لگے۔ اسلئے اسکی بھی ضرورت نہیں کہ یوں کہیں کہ تصور خدا ہی بتانے لگے کیونکہ اول تو اسکو کیا کیجے کہ پریش ہندو میں خدا کی صورت کا لحاظ نہیں بلکہ غیر خدا ہی کی صورتیں اُن مورتوں کو سمجھتے ہیں دوسرے تصور کشتی کو اصل صورت کا معلوم ہونا ضروری اور ظاہر ہے کہ کوئی صورت خدا کے لئے ہو بھی تو اسکا علم مفقود۔ بالخصوص مورت تراشنے والوں کی نسبت جو یہ گمان ہو بھی نہیں سکتا۔ تیسرے اس صورت میں اُس صورت کا جہت میں مقید ہونا ضروری اور ظاہر ہے کہ یہ بات معبودیت پر مبنی نہیں بلکہ اجداد پر بطور انعکاس منظر جمال خداوندی کہیے تو یہ خرابی لازم نہیں آتی چنانچہ پہلے معلوم ہو چکا ہے جو تھے عکس کی صورت میں تو بانی جو کہ انعکاس علم ہوتا ہے انوکھا معلوم نہیں ہوتا اصل شے ہی پر نظر پڑتی ہے اور اسلئے معبود وہ اصل جمال خداوندی ہی رہتا ہے اور تصور خداوندی اگر بالفرض التقدير بفضل جمال بنائی ممکن بھی ہو اور فرض کیجئے کہ تصور مطابق اصل بنا بھی لیکن تب بھی وہ صورت بوجہ حدوث و مخلوقیت اس قابل نہیں کہ اسکو قبلہ عبادت بنائیے۔ خاص کر جب یہ لحاظ کیا جائے کہ وہ بنی آدم ہی کی بنائی ہوئی ہے اگر بالفرض کوئی اپنی صورت خدا خود بنانا تو گودہ بھی بوجہ مذکور اللہ معبودیت نہ ہو مگر ہماری بنائی ہوئی ہے تو اس بات میں افضل اور اعلیٰ ہوگی اب یہ سجدہ باقی رہا کہ اگر بوجہ مذکور جسم منظر جمال خداوندی نہیں ہو سکتا تو پھر اسکا موجود مقید ہونا بھی بظاہر صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ مقید کو منظر مطلق ہونا لازم ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ مقید اور مطلق اوصاف ہوا کرتے ہیں موصوفات ہوتے ہوا کرتے اور موصوفات کو اگر مطلق اور مقید کہتے ہیں تو باعتبار اوصاف ہی کہتے ہیں باعتبار ذات نہیں کہتے وجہ اسکی یہ ہے کہ تقید بمعنی قطع حقیقت میں ایک شکل اور خصوصیت متمیزہ ہوتی ہے اور یہ بھی وجہ تسلیم ہے کہ وہ تقیدات اور جنکے ساتھ وہ تقیدات متصل ہیں اہم ماضی معروض ہیں یا گئے دوسرے علاوہ ذاتی نہیں جو ذاتی ممکن ہو ورنہ ایک مطلق کیلئے غیر متناہی لازم نہ آتا ہوں یا غیر متناہی لزومات ذاتی کیونکہ یہ تقیدات اُن مطلقوں ہی کے ساتھ متصل ہوتے ہیں سو وہ مطلق تقیدات کے حق میں لزوم ذاتی یا لازم ذات ہون تو بیشک ہی صورت پیش آئے گی جو معروض ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ بات کس طرح قابل تسلیم نہیں کیونکہ لازم ذات حقیقت میں لزوم سے جدا ہوتا ہے سو شے واحد صدر اشیا کثیرہ ہوتا اسکی وحدت اہل عقل کے نزدیک بیشک ایک حرف غلط ہے اسلئے یہی کہنا پڑیگا کہ باہم عارض و معروض ممکن الانفصال ہیں اور ظاہر ہے کہ عروض اوصاف ہی کا کام ہے اسلئے موجودات مقید ہیں اگر ہوگا تو ظاہر وجود ہوگا ظہر مصدر الوجود نہ ہوگا اور یہ ایسی صورت ہے کہ محض خالوں کی دھوپ میں جو حقیقت میں غائب مقید ہیں منظر نور آفتاب میں منظر صدر الانوار یعنی آفتاب نہیں بلکہ جیسی دھوپ میں بوجہ تقابل منظر آفتاب میں ایسے ہی سوار سے بعد از موجودات مقیدہ بھی بوجہ تقابل مذکور منظر جمال خداوندی میں مگر منظر اور منظر میں اتنا ہی فرق ہے جتنا دھوپ آئینہ میں فرق ہوتا ہے یعنی جیسے آئینہ کو بشرط تقابل یوں کہہ سکتے ہیں کہ آفتاب آئین میں جلوہ افروز ہے اور دھوپ کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ آفتاب معنی افروز ہے یہی بعد مجرور کو بوجہ تقابل یوں کہہ سکتے ہیں کہ جمال جہاں آرائی عالم آفرین آئین مدق افروز ہے اور سوائے اور موجودات مقیدہ کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ جمال مذکور میں مدق افروز

جب ہر جملے ہو گیا تو اور سنئے کہ اس تقریر سے صاف روشن ہو گیا کہ کوئی عبادت کرے یا نہ کرے ضرورت عبادت ہو کہ ہو عدم
موجود منظر جمال خداوندی ہر اولیٰ سے ہون کہہ سکتے ہیں کہ اس ظہور کے باعث عبادت جسمانی کے نہ لازم کیونکہ جمال خداوندی
متعین فی الجہت نہ ہی پر کسی طرح متعلق یا مجتہد ہو کہ تقابل جسمانی اور خصوص جسمانی متصور ہی پھر کیا وجہ کہ روح تو غالب عبادت ہو
اور جسم محط ہے اور شروع رسالہ میں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ عبادت روحانی لازم ہے اور بوجہ ضرورت عبادت روحانی عبادت
جسمانی غرض ہے اور اسلئے معبود کو تعلق یا مجتہد بطور مذکور لازم ہے تاکہ ضرورت عبادت مرتفع ہو یا بجلد دونوں طرف سے لازم ہے
استانفرق ہو کہ بوجہ ضرورت عبادت تعلق یا مجتہد محض کم اختیاری پر مبنی ہے تاکہ تکلیف مالا یطاق لازم نہ آئے اور بوجہ نہایت
معروضہ تعلق یا مجتہد ایک امر بجائی ہے اختیاری نہیں مگر بجائی سے کیونکہ ہم مضطر لیں اضطرار کسی غم و یا کلام نام ہی وغیرہ تو ضابطہ
ہی اور یہ اسکے مقابل میں مضطر کہلاتا ہی اور ایجاب اس لزوم کا نام ہی جو خاص بمقتضیات ہی مقتضی سے غیر ہو یا بجلد بعد محدود
بطور انعکاس منظر جمال خداوندی ہے اور سوا اسکے عالم ابعاد میں اور کوئی چیز منظر جمال مذکور نہیں اور نہ ممکن کہ وہ منظر جمال
مذکور ہو لیکن سوائے بعد اس عالم ابعاد میں بجز جسم اور کیا ہی اسلئے بتوں کی نسبت یہ یقین ہے کہ وہ بطور انعکاس منظر جمال
خداوندی نہیں ہو سکتے جب یہ گذارش ذہن نشین خاص عالم ہو گئی تو اب اور سنئے انعکاس اللہ کو کہتے ہیں ہوا انعکاس
آئینہ وغیرہ میں اللہ کی یہ صورت کہ نور نظر کو بوجہ ظلمت قلعی جب آگے جائیگا رہستہ نہیں ملتا تو مثل گیند شکر کھا کر جب ہر سے آیا
تھا اور کھڑو پلٹتا ہی مگر ظاہر ہے کہ جب قدر مخروط نگاہ میں سے آگے سے آئینہ تک ہوتا ہے تو وہ بدستور جمال خود رہتا ہی اگر پلٹتا ہی
تو اس مخروط کا وہ حصہ پلٹتا ہی جو در صورت عدم انعکاس سطح قلعی سے آگے ہوتا ہی مگر وہ پلٹے گا تو اس کا قاعدہ اوپر ہو جائیگا
اسلئے اسکی وسعت میں جو آجائے گا وہی نظر آنے لگے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں جو چیز نظر آئیگی وہ بذات خود نظر آئیگی
اسکی شیخ یا مثال یا تصویر نہ ہوگی اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے جو وہی فاصلہ معلوم ہوتا ہی جو آئینہ اور اشیا منعکسہ میں ہوتا
ہے فقط بوجہ انعکاس اور کھڑکا اور معلوم ہونے لگتا ہی اور اس وقت زمین وغیرہ اجسام مکدرہ بزرگ گاہ کا منعکس ہونا اسوجہ
ہوگا کہ انہیں بوجہ عدم صفائی یعنی بوجہ کھردرا پن نگاہ ایسی طرح رجحانی ہے جیسے گیند گاہے میں دھسکرہ جاتی ہے اور مگر
انہیں کھاتی غرض جیسے گاہے کے اجزاء کے اور کھڑکے اور کھڑکے سے گیند کا نور تمام ہو جاتا ہی ایسے ہی گھر سے اجسام کے
مسلمات میں چھپا ہوتے ہیں نگاہ کا نور تمام ہو جاتا ہی بہر حال صورت انعکاس اگر یہی تو بعد مجرور میں اگر طو بذات وصفات
خداوندی ہوگا تو اہل نظر کو خود ذات وصفات ہی کا دیدار ہوگا شیخ و مثال منفصل متقابل ذات وصفات نہ ہوگی جو کسی کو شبہ
شک یا احتمال حدوث مزبہ فلجان ہو مان اتنی بات مسلم کہ مخروط شعاع نگاہ جب کسی چیز کو محیط ہوتا ہی تو باطن مخروط میں
اس چیز کی شکل ایسی طرح منتقل ہو جاتی ہے جیسے باطن قالب میں مقلوب کی شکل ہوا کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ کل باطن
مخروط نگاہ شیخ اور مثال اصل ہوتی ہے مگر چونکہ یہ بات ہر دیدار میں ہوتی ہے اور اسکا ہونا مخالفت دیدار اصل نہیں سمجھا جاتا
اگر دیدار خداوندی میں جو بوسیہ بعد مجرور ہو یہ بات پیش آئے اور دیدار بصرت میں جو بوسیہ آئینہ میسر آئے کیفیت دیدار

اسکو دیکھ کر شیخ و مثال نہ کہیں گے دیدار اصل ہی کہیں گے ہاں اگر مقابل میں کوئی شیخ و مثال منطبع ہو جیسا بظاہر آئینہ وغیرہ مظاہر
میں معلوم ہوتا ہے تو البتہ بظاہر تو یہی ہے کہ وہ دیدار شیخ و مثال ہو مگر غور کرنے کے بعد یقین معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں بھی دیدار
اصل ہی ہوتا ہے ہاں اس صورت میں انعکاس نگاہ بظاہر ہوگا انعکاس منظور ہوگا تفصیل اسکی یہ ہے کہ اگر آئینہ وغیرہ مرلایا و مثال
کے باطن میں مقابل اصل منظور شیخ اور مثال منطبع ہو اور اس سبب سے یوں کہیں کہ انعکاس نظر نہیں بلکہ انعکاس منظور ہی یعنی
شکل اصل بوجہ انقلاب جہت درخ پلٹ کر آئینہ میں منطبع ہو گئی ہے تو اس میں تو کچھ کلام ہی نہیں کہ شکل باطن آئینہ ہی طرح ہے
تو وہ شکل اصل ہی جیسے حرکت کشتی نشین پر تو وہ حرکت کسی یا نور زمین جسے دھوپ کہتے ہیں پر تو وہ نور آفتاب ہوتا ہے یعنی
جیسا آفتاب میں نور آفتاب کشتی میں حرکت کہ ایک لہر پھران دونوں کے ساتھ تقابل اور ارتباط ہو تو زمین میں دھوپ اور کشتی نشین
حرکت ہو نہیں تو نہیں ایسی ہی شکل آئینہ وغیرہ مظاہر کا حال ہے اصل میں شکل ہے اور اس سے تقابل اور ارتباط ہو یعنی حجاب
نہو تو آئینہ میں شکل آئے نہیں تو نہیں غرض شکل تصویر اپنے وجود میں منتقل نہیں مگر یہ تو جیسے حرکت کشتی نشین وہ حرکت
کشتی ہی ہوتی ہے اور نور زمین وہ نور آفتاب ہی ہوتا ہے کوئی جدی چیز نہیں ہوتی ایسے ہی شکل آئینہ بھی وہ شکل ہی ہوگی
جدی چیز ہوگی گو وقت احساس مثل حرکت کشتی نشین وہ نور زمین ایک جدی چیز معلوم ہوتی ہے بالکلہ شیخ و مثال کہو یا اصل کہ
انعکاس کی صورت میں اصل صورت ہی معلوم ہوتی ہے مگر یہ نیزنگی صورتوں ہی میں ہے زیادہ میں نہیں اور آئینہ وغیرہ مظاہر
میں بھی صورتیں ہی منعکس ہوتی ہیں مادہ منعکس نہیں ہوتا مگر جیسے قابل انعکاس فقط صورتیں ہی ہوتی ہیں مادہ کو
اس سے علائقہ نہیں ایسے ہی قابل ادراک احساس بھی یہ صورتیں ہی ہوتی ہیں مادہ کو اس سے علائقہ نہیں چنانچہ ظاہر
کون نہیں جانتا جسم اگر نظر آتا ہے تو اسکی قطع اور رنگ ہی نظر آتا ہے اور کیا نظر آتا ہے اور ظاہر ہی ہے قطع اور رنگ سمجھو
ہی صورت میں اسکی ہوتا ہے القصہ مادہ جسم قابل دیدار نہیں علی ہذا القیاس اور احساسوں اور ادراکوں کو خیال کر لیجئے یعنی آواز اور
وغیرہ کے ادراک اور احساس میں بھی انکی تقطیعات اور کیفیات ہی مدرك اور محسوس ہوتی ہیں اسلئے اس سے زیادہ انکا ادراک اور
احساس نہیں ہونا جب موجودات عالم شہادت کا یہ حال ہے تو موجودات عالم بالکی حقیقت تک ادراک و احساس کی رسائی معلوم ہاں
بھی ادراک ہوگا تو صورت ہی کا ادراک ہوگا خواہ بطور اصل ہو یا بطور عکس اسی شہادت جو حضور اور ادراک معبود پر موقوف ہے
صورت خداوندی ہی سے متعلق ہے تو صورت اس سے متغنی اور غنی ہے و ہاں اتنی بات قابل لحاظ ہے کہ جیسے بصرت کی
تقطیعات یعنی اشکال و صورت کو سموات کی تقطیعات پر قیاس نہیں کر سکتے بلکہ ہی کہنا پڑتا ہے کہ کسی کی قطع اور شکل و صورت
اسکے مناسب ایسے ہی عالم بالا کو صورت جام پر قیاس نہ کرنا چاہیئے بلکہ یہاں بدرجہ اولیٰ وہ قیاس غلط ہوگا کیونکہ دہان
امکان اور موجود عالم شہادت ہونے میں تو اشتراک تھا یہاں تو یہ بھی نہیں بہ نسبت ذات خداوندی اگر اطلاق صورت دست
ہوگا تو ایسی طرح ہوگا جیسے مرکز پر اطلاق صورت دائرہ اور دائرہ پر اطلاق صورت سطح غیر متناہی فی العرض و المطول یعنی
غیر متناہی نہ کہ کس لئے اصل میں کوئی صورت نہیں ہوتی کیونکہ صورت ایک قطع کا نام ہے اور متناہی عرض و طول میں

تطبیع کہان مگر وجہ تامل و تشابہ دائرہ کو صورت سطح مذکورہ مرکز و صورت دائرہ کہہ سکتے ہیں اور اس وجہ سے مرکز کو صورت سطح مذکورہ کہہ سکتے ہیں ایسے ہی اس ذات بیچون و چگون کے لئے تو اس میں کوئی صورت نہیں کیونکہ وہ ہر طرح سے غیر محدود اور علی الاطلاق مطلق ہر اسے تطبیع اور تحدید کی کوئی صورت ہی نہیں جو صورت کی صورت ہو مگر وجہ تامل و تشابہ تجلی وسط وجود اور وجود کو اسکی صورت کہہ سکتے ہیں بیان بھی وہی نسبت ہے جو دہان بھی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر کسی مرکز یا ایک دائرہ بنائیں اور اس دائرہ کے گرد سطح کو الی غیر النہایت فرض کریں تو جب مرکز سے محیط دائرہ تک سب طرف سے بعد برابر ہوگا ایسے ہی محیط دائرہ سے باہر مرکز سے لے کر الی غیر النہایت بھی بعد مساوی ہوگا اور اسلئے چارنا چاہیے کہ ہر شکل کا سطح مذکورہ مندرجہ شکل ہی اور دائرہ اسکی شکل ہی علی هذا القیاس جب میں خیال کریں کہ اس دائرہ کے اندر ہزاروں دائرے اوپر تلے اس مرکز سے بن سکتے ہیں اصلاً سب میں چھوٹا دائرہ وہ ہی جسکے جوف میں سو مرکز اور کچھ نہ ہو تو پھر یہ بھی خواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ مرکز شکل دائرہ ہی اور کیوں نہ ہو جب سطح مستدیرہ کو اسوجہ دائرہ کہنے لگتے ہیں کہ انکے گرد خط مستدیر ہوتا ہے تو پھر مرکز کو دائرہ کیوں نہ کہیں گے بیان بھی وہی خط مستدیرہ اگر وہ موجود ہے علی هذا القیاس مرکز اور گردہ اور اس بعد مجرد میں جو خارج از گردہ الی غیر النہایت موجود ہے ہی اتحاد شکل اور صورت موجود ہے اسکا اصل سطح غیر متناہی نہ ہو اور بعد غیر متناہی فی البہات الستہ میں اگرچہ بذات خود صورت شکل باہمی معنی موجود نہیں کہ بعد سطح سرخس ہو اور وہ عارض مگر حسب تصور اور غائیہ کو صورت حاصل کہتے ہیں اور وجہ اسکی یہی ہوتی ہے کہ جوبات دہان بھی وہی بیان ہے تو وجہ تشابہ و تامل مذکورہ دائرہ کو شکل سطح مذکورہ اور گردہ کو شکل بعد مذکورہ کہنا بھی ضروری ہوگا اور جب مرکز شکل دائرہ اور گردہ ہو اور گردہ اور گردہ شکل بعد سطح تو مرکز بھی سطح اور بعد کی صورت اسکی ہوگا اگرچہ قصہ بیان ہے وہی قصہ اس تجلی میں جو ہر سطح وجود میں آتا ہے اور وجود میں اور ذات معیود میں ہے۔ شرح اس محاکمی یہ ہے کہ ذات بیچون و چگون کا کسی حد میں محدود ہونا تو ایسا غلط ہے جیسا ہمارا تمہارا غیر محدود ہونا اور کیوں نہ ہو اسکو محدود اور مقید کہئے تو بسکے اور ایک اور غیر محدود اور مطلق ماننا پڑیگا جس سے خدا کے اوپر خدا کا ہونا لازم آئیگا اور جب اسکو غیر محدود مانا تو پھر اس مقام پر جو بمنزلہ نقطہ وسط اور مرکز گردہ ہو اس ذات باریکات کی تجلی ضروری وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ تو مسلم ہو چکا کہ مرکز صورت دائرہ اور گردہ صورت سطح غیر متناہی مشار الیہ ہے علی هذا القیاس اگر دائرہ اور بعد میں یہ اتحاد شکل ہی مگر اتحاد شکل کی کل دو صورتیں ہیں ایک تصویر کشی دوسری انعکاس سو تصویر کشی تو فعل اختیاری مصوری اور تصویر کشی ساختہ و پرداختہ اور انعکاس ایک اضافت نے اختیاری ہے اور عکس ایک نتیجہ ضروری ان دونوں کو مطابق کر کے دیکھا تو مرکز میں عکس دائرہ اور سطح غیر متناہی نظر آیا سامان تصویر کچھ نہ دیکھا جو تصویر کہئے جیسے آئینہ اور آفتاب وغیرہ کا تقابل تو کیقدر اختیار میں ہوتا ہے پھر عکاس اور عکس دونوں اختیار سے باہر ہیں ایسے ہی دائرہ کہنے چاہئے تو اختیار ہی ہے پھر مرکز کا خارج الاقطار یا جمع الاقطار ہو جانا اختیار سے باہر ہے نقطہ مرکز کی کہنے کوئی ہیئت نہیں بدلی وہ اور سوائے اسکے اور نقطے مساحت شکل و صورت میں برابر ہیں ہاں یہ بات کہ وہ مصدر ابعاد اور جمع الاقطار بن گیا دائرہ کے کہنے ہی کے ساتھ ہی اسکا حاصل ہو گئے وہ اگر بنیاد و اثر متوازنہ مشار الیہا سب میں چھوٹے دائرہ کی مساحت بن گیا اور اسکا جوف اسکو کہنے لگے تو

تو یہ بھی دیکھ کر کہ چھتے ہی بکلیا اس لئے مرکز کو اگر بوجہ اس کا الیہا عکس دائرہ اور عکس سطح غیر متناہی کہیں
 کہیں تصویر نہیں کہہ سکتے باقی وہ تقابل جو عکس کا سامان ہوا اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ دائرہ متناہی ہو تو مرکز مبتدا آئینہ
 آفتاب وغیرہ میں بھی تو یہی تقابل ہوتا ہے کہ وہ فوق میں ہے تو یہ تحت میں اس کا رخ اور ہر تو اس کا رخ اور ہر سو بیان بھی یہی
 تقابل تضاد ہے جو آئینہ کے عکاس کے لئے دیکھا ہے وہی آئینا سامنا ہے جو آئینہ اور آفتاب وغیرہ میں ہوتا ہے لہذا مرکز میں
 اگر شکل دائرہ سطح غیر متناہی پیکل کر دے بعد غیر متناہی ہو اور دونوں شکلیں بطور مذکور متحد ہیں تو بوجہ اتحاد نے اختیاری و فردی
 سامان عکاس اس اتحاد کو اقسام عکاس سمجھنے کے ایک کو دوسرے کی تصویر نہ کہا جائیگا مگر یہ ہے تو جہاں یہ سامان عکاس ہوگا
 بے اختیار نہ انطباع اور انعکاس لازم آئے گا جیسے سطح غیر متناہی اور بعد غیر متناہی کا یہ انعکاس صسط سطح و بعد میں و جب تسلیم
 اس طرح جو ہر طرف سے غیر متناہی ہوگا اور ہر طرف سے غیر محدود آئین بھی عکس ماننا پڑیگا۔ اس لئے ذات خداوندی کے لئے بھی جو
 جمیع اوجہ مطلق اور غیر محدود ہے ایک تجلی و سلی چاہیے یعنی کسی قسم کا عکس یہاں بھی ضرور ہوگا جو سطح غیر متناہی اور بعد غیر متناہی
 لئے وسط میں ہوتا ہے اس فرق ہوگا کہ سطح و بعد میں لاتناہی ابعاد پر وسط بھی باعتبار بعد ہی لیا جائیگا ذات خداوندی کی
 لاتناہی بیچون و چگون ہے جسے اسکی ذات سے زالی ہے ویسے ہی اسکی لاتناہی بھی زالی ہوگی اور ہر اکا وسط بھی زالا ہوگا اور کوئی
 نہ غیر متناہی اور غیر محدود و مطلق کسی بات میں تو متناہی اور محدود اور مقید میں بعد سطح کا اطلاق اور لاتناہی اور لاتناہی اگر ہو تو
 فقط بعد ہی میں ہے اور اس وجہ سے سطح و بعد مذکورین کو خواہ مخواہ بعد میں مقید اور محدود سمجھنا لازم ہے یہ ذات خداوندی کو بعد غیر
 اوصاف میں مقید مانا تو خلافی ہے کیا ہوئی لاچار ہر طرف سے مطلق اور محدود کہنا پڑیگا اور اس لئے اسکی لاتناہی اور اسکا اطلاق اور
 اسکا وسط بھی اسکی طرح زالا ہی ہوگا مگر وہ عکس اور تجلی چونکہ باوجود فرق فطرت بوجہ انعکاس حملہ کمالات مجمع الکمال ہوگی تو عینیت ہی
 ہی صورت ہو جائیگی جیسے مرکز کی ہوتی ہے یعنی جیسے تمام ابعاد دائرہ مرکز میں اپنے جوصلہ کے موافق ہوتی ہیں اگر فرق ہوتا ہے تو یہ ہوتا ہے
 کہ دائرہ میں تفصیل و درجے جیسے تھے اور مرکز میں بالاجمال سب نہ نہ نہ کہتے ہیں ایسے ہی تمام کمالات ذاتیہ جو تفصیل مرتبہ ذات
 میں جیسے جیسے تھے مرتبہ تجلی مذکور میں سب بالاجمال بطور اذعام اکٹھے ہو گئے اور اس لئے جیسے مرکز باقی سطح دائرہ سے بوجہ اجتماع ابعاد
 و جہات دہن میں ممتاز ہوتا ہے ایسے ہی تجلی مذکور بوجہ اجتماع کمالات اور مراتب ممتاز ہوگی اور اس وجہ سے اسکا نور ایک جیسے ہی
 رنگ پر ہوگا جیسے دائرہ کے اوپر کی طرف سے دیکھے تو تمام ابعاد مرکز کی طرف جاتے ہیں اور آئین جا کر سب بل مل جاتے ہیں اور مرکز
 کی طرف سے دیکھے تو پھر تمام ابعاد اس سے نکلا کر جیسے جیسے باہر کو جاتے ہیں عرض اس امر میں بھی وہی انعکاس ہوتا ہے ایسے
 ہی ذات کی طرف سے لحاظ کیجئے تو تمام کمالات ذاتیہ تجلی میں اگر مجتمع ہو گئے اور تجلی کی طرف سے خیال کیجئے تو پھر تمام کمالات کا باہر کو
 صدور ہو اور ایسی صورت ہو گئی جیسے محسوسات میں سے آفتاب میں سمجھ میں آتی ہے یعنی اول تو یہ سلم کہ نور آفتاب عطا شد
 اور اس لئے یہ خیال کہنا ضرور ہے کہ تمام شعاعیں جو بعد کو نکلا کر جدی ہوجاتی ہیں خدا کی طرف سے آئین ہر طرف سے آئین ہر طرف سے آئین ہر
 اس سے نکلا کر جدی ہو کر پھیل جاتی ہیں اگر پہلے سے جدائی اور پھر اجتماع ہوتا تو بعد کو انفصال اور جدائی بھی ممکن

بجھی جو چیز وحدت ذاتی کہتی ہے شہین کثرت ممکن نہیں الغرض جیسے آفتاب اس صورت میں بمنزلہ راس دو مخروط ہے جو راس
 کی طرف سے سیدھی ملی ہوئی ہوں یا بمنزلہ راس دو دائرہ متقابلہ ہے ایسے ہی وہ تجلی بھی مرتبہ ذات اور مرتبہ مادہ کے بیچ میں
 ہوگی مگر جیسے آفتاب کی شعاعیں آمد کے وقت محسوس نہیں ہوتیں مگر ہوتی ہیں تو وقت صدور و خروج محسوس ہوتی ہیں
 ہی مرتبہ ذات اور اس سے کمالات کی آمد تو مشہود نہیں ہو سکتی بذریعہ استدلال ہی معلوم ہوگی پر مرتبہ صدور کو ترک نشاندہ کو
 رسائی ہوگی اور وجہ اسکی ظاہر ہے جسکا نتیجہ خفا اور اختفا ہو وہ خفی کیونکہ ہر گام مرتبہ جمال و اجتماع میں بطون ہوتا ہے ظہور میں
 ہوتا البتہ ترتیب تفصیل و انفصال میں ظہور ہوتا ہے بطون نہیں ہوتا سو آمد پر اجتماع موقوف ہے اور صدور پر تفصیل موقوف ہے
 آمد اور جہان سے آمد محسوس نہیں ہو سکتی اور صدور اور نتیجہ صدور کا محسوس ہو سکتا بشرط احساس جو اس خصوص ہے وہی وجہ کہ
 محیط سے خطوط کامرکز کی طرف آنا ایسا نہیں ہے جتنی مرکز سے محیط کی طرف کا جانا مرکز سے محیط کی طرف خطوط کے
 جانے میں ہرگز کیسے تامل نہیں ہے سیدھا باز ہے جہان کو چاہو لے چلے جاؤ محیط کی طرف ضرور جائینگے اور محیط سے مرکز کی طرف خطائیں
 تو سیدھا باز ہونے کی ضرورت ہوتی ہے اگر آئیوں لے خطوط جو محسوس ہوتے تو یہ وقت کیونکہ ہوتی الغرض دائرہ میں بھی یہی ہوتا ہے کہ دو
 دائرے ایک ظاہر ایک باطن اور پر تلے برابر برابر ایک مرکز پر ہوتے ہیں کیفیت آمد ہے مواقع میں مشہود نہیں ہوتی البتہ کیفیت خروج
 معلوم ہوتی ہے مگر چونکہ تجلی نہ تو تجلی اول ہے اور صدور نہ تو صدور اول تو اس تجلی کو موجود اور اس صدور کو وجود کہینگے کیونکہ اس سے اوپر کوئی
 مفہوم نہیں جو اسکو اول رکھے اور وجود کو دیکھا تو مجمع الکلمات دیکھا جو کمال کیسے لئے تجویز کیجئے اول اس صاحب کمال کے وجود کی
 ضرورت نظر آتی ہے اگر کمالات عالم وجود کی ذات کے ساتھ مربوط نہیں تو یہ ارتباط کیونکہ ہے صدور کے اس مجمع کمالات ہونے سے
 بھی یہی بتا لگتا ہے کہ اس تجلی اول سے یہی صادر ہوا ہے جو اسکے تمام کمالات جنکا ثبوت اور پر گزرتا ہے اس میں موجود ہیں اور اوصاف
 میں نہیں۔ اب بخور سنئے کہ وقت عرض مطلب پہنچا وہ تجلی تو بذات خود مصداق اسم موجود اور اسم جمیل ہے موجود ہونیکے لئے تو یہی
 ظہور آثار وجود کافی ہے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ اسکے پر توہ سے تمام کمالات موجود ہوتی ہے اور اس سے اوپر بطون و بروج
 اور خفا و خفایہ کچھ ظہور ہو تو ظہور آثار کلام لیا جلا ہے چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ معانی مقرب حل ہوا چاہتا ہے۔ رہا اسم جمیل اس مرتبہ
 پر اسکے صادق آنے اور اس سے اوپر کے مرتبہ پر صادق نہ آنے کی یہ صورت ہے کہ جمال کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے ایک تو اجتماع
 جملہ ضروریات جمال دوسرے قابلیت اور اکل البصار اول کی وجہ تو یہی کہ جمال کو جمال اسنے کہتے ہیں کہ جملہ ضروریات جمال یعنی اعضا
 معلوم اور تناسل معلوم فراہم ہو جائیں غرض جمال اور جملہ دونوں ایک مادہ اور ایک مصدر ہیں۔ اور یہی بات ہے بل فہم یہ سمجھ سکتے ہیں
 کہ جمال اور کچھ ہے اور حسن اور کچھ ہے مزید توضیح کے لئے میں بھی عرض کیے دیتا ہوں کہ جمال میں تو فراہمی سامان مذکور چاہیے کسی کو
 اسکی خبر ہو کہ نہ ہو اور حسن اور کچھ اسکا معلوم ہونیکام نام ہے چنانچہ محاورات عربی مثل حسن لدی با حسن عنده وغیرہ اس پر ہیں پر فہم کی
 ضرورت ہے مگر یہ ہے تو پھر خدا کو جمیل کہنے میں تو بشرط فراہمی سامان مذکور کچھ حرج نہیں بلکہ نہ کہنے میں حرج ہے کیونکہ اعتقاد
 خلاف واقع اور اخبار و مدح ہر کسی کے نزدیک برا ہے البتہ حسین کیسے اور مطلب بھی اثبات صفت حسن و خوبی ہوتا ہے ہر چیز کے

کہ خدا کی یہ صفت اور دل پر موقوف ہوگی اور پھر اس میں بھی بوجہ احتمال غلط فہمی اہل بصر پر یقین ہوگا کہ یہ صفت اگرچہ دوسرے کے
 اور ایک ہی پر موقوف ہو بظہور حاصل ہی ہو رہی دوسری بات یعنی یہ کہ جمال کے لئے لیاقت ابصار اور ادراک بھی ضروری اسکے اثبات
 کے لئے کسی دلیل کے بیان کر نیکی کچھ حاجت نہیں غرض جیسے رنگ اسید کا نام ہے جو آنکھوں سے نظر آئے اور آواز اسید کا نام ہے جو کانوں
 سے سنائی دے ایسے ہی جمال اسید کا نام ہے جو اچھا معلوم ہو سو اگر معلوم ہونے کی قابلیت ہی نہیں ہوگی تو پھر اچھا معلوم ہونا بھی معلوم
 ہونے کے معنی نہیں کہ خواہ مخواہ معلوم ہی ہو یعنی علم و ادراک اہل نظر کے تعلق کی نوبت بھی آجائے اگر یہ ہو تو پھر جمال حسن و دونوں
 ایک میں ان دونوں میں اگر فرق ہو تو یہی ہو کہ جمال میں تو بعد فلو ہی سامان مذکور قابلیت اور ادراک ہی چاہیے اور حسن میں تعلق نظر
 کی بھی ضرورت ہے غرض مصداق اور موضوع لہ جمال وہ سامان نہ کہ وہی بروہ سامان خود ایسا ہو کہ کوئی صاحب نظر ہو تو اسکو اچھا
 معلوم ہو اور مصداق و موضوع لہ حسن کسی شے کا اچھا نظر آنا ہی اصل میں وہ شے اچھی ہو کہ نہ جو حسیہ فرق حسن و جمال سمجھ میں آگیا
 اور یہ معلوم ہو گیا کہ جمال کے لئے تمام وہ چیزیں جہاں جن کی فراہمی کے بعد کوئی چیز اچھی نظر آئے تو اب یہ گزارش ہے کہ ذات خالق کمال
 کا جامع الکمالات ہونا تو مسلم اول تو تمام عالم اسکا قائل دوسرے مخلوقات میں جو کچھ ہے وہ فیض خلق ہے اگر خالق میں تمام کمالات نہ تھے
 تو مخلوقات میں یہ کمالات کون آگیاں کہ ان سے آئے شاید کسیکو شبہ ہو کہ مخلوقات میں عیوب اور نقائص بھی ہیں اگر وہ بھی فیض خلق ہیں
 تو خالق کا جامع العیوب ہونا بھی واجب التسليم ہوگا اور اگر خاندان مخلوقات میں تو کمالات بھی خاندان و ہین تو کیا حرج ہو مگر یہ شبہ
 اسوقت تک موجب غلط فہمی ہوگا جسوقت تک یہ معلوم ہوگا کہ کمالات تقطعات وجودی ہیں اور نقائص باطلات عدمی ایک
 دو نظیر غرض کیے دیتا ہوں انشاء اللہ اہل فہم اسی سے اپنا مطلب نکال لینگے سینے میں ہونا قوت باصو اور آنکھ پر موقوف
 ہے بہ دونوں موجود ہونگی تو بنیا کہہیں گے نہیں تو نہیں اور نابینا ہونیکے لئے کسی چیز کے ہونے کی ضرورت نہیں ان
 دونوں کا ایک کا ہونا کافی ہے علی ہذا القیاس شہنا ہونیکے لئے قوت سامعہ اور کان کی ضرورت گویا ہونیکے لئے قوت ناطقہ اور
 زبان کی حاجت اور لکھنے وغیرہ کے لئے قوت باطشہ اور ہاتھ چاہئیں اور چلنے کے لئے پاؤں درکار پر ہرے ہونے اور گونگے ہونے
 کے لئے اور لکھے ہونے اور لنگڑے ہونیکے لئے کسی چیز کے ہونے کی ضرورت نہیں فقط اعضاء مذکورہ اور قوے مسطورہ کا ہونا
 کافی ہے اسی پر اور کمالات اور نقائص کو خیال کر لیجئے قیاس کن رنگستان میں بہار مراد اس سے مشابہ ہو کہ کمالات
 قطعات وجود ہیں اور نقائص قطعات عدم اور کیوں نہ ہو نقصان خود عدم پر دال ہے غرض بنا کمال وجود پر ہی اور بنا نقصان
 و عیب عدم پر اور ظاہر ہو کہ عدم مخلوقات اصلی ہے اسی لئے خالق کی ضرورت ہوئی اور وجود مخلوقات مستعار اسی لئے فیض خلق
 کہنا اگر عیب یہ فرق معلوم ہو گیا تو یہ بھی عیان ہو گیا کہ کمالات خدا کی طرف سے مستعار ہیں اور نقائص اور عیوب الٰہی طرف سے مستعار
 نہیں خاندان مخلوقات میں اور جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اسی سخن اول کو سنئے جب ذات باری جامع الکمالات ہے تو تجلی اول مذکورہ
 باصو و جمیع الکمالات ہوگی اور کیوں نہ ہو تجلی مذکورہ نسبت ذات باریکات بنسبت مرکز دائرہ ہے چنانچہ دقیقہ سخاں عانی خوب سمجھ چکے
 ہیں اور مرکز کمال عیان ہے کہ وہ جمیع الالباب و الابواب اور طغی الخطوط والاعطار ہوتا ہے حیرت دائرہ میں تفصیل ہوتی ہے

مرکز میں بالاجمال ہوتی ہے سو جب تجلی مذکور بہ نسبت ذات بمنزلہ مرکز دائرہ ہوتی تو تمام کمالات ذات تجلی مذکور میں بالاجمال ہوتی چاہیں اور چھترہ دیکھا جائے کہ جیسے مرکز دائرہ بوجہ اجتماع العباد والتقاریر قطار نظر خیالی میں باقی سطح دائرہ سے ممتاز و متمیز ہے ایسے ہی موقع تجلی مذکور ذات کے اور مقامات سے متمیز و ممتاز ہے تو پھر اسکا اقرار بھی لازم ہے کہ تجلی مذکور سے پہلے متمیز و امتیاز کچھ نہ تھا مگر متمیز و امتیاز نہ ہوگا تو علم کا ہیکو ہوگا علم کا اول کام ہی ہے کہ معلوم کو غیر معلوم سے ممتاز و متمیز کرے اور ظاہر کو کہ یہ امتیاز و متمیز اس تجلی کے بعد ہی حاصل ہوا ہے مگر جب علم اس سے پہلے نہیں تو جو جو صفات علم سے بھی متاخر ہیں وہ کس کو اس مرتبہ سے پہلے ہونگے یعنی قدرت ارادہ مشیت تکوین وغیرہ جسکا تحقق علم کی تحقق پر موقوف ہے وہ بالاولیٰ مرتبہ مذکور سے متاخر ہونگے جب توقف میں شاید کسیکو توقف ہو اسلئے یہ گزارش ہے کہ تعلق ارادہ مراد کے ساتھ علم مراد یعنی علم بالمراد پر موقوف ہے اور یہ توقف یہی ہے جو دیوانہ سے لیکر عقل تک اس سے آگاہ ہے یہ توقف تعلق اس پر شاید ہے کہ ارادہ وغیرہ صفات کا تحقق بھی علم کے تحقق پر موقوف ہے جبکہ اسکی یہ ہے کہ اگر صفات مذکورہ کا تحقق علم کے تحقق پر موقوف نہ ہو تو صفات مذکورہ کا تعلق بھی علم کے تعلق پر موقوف نہیں ہو سکتا یعنی جب علم اور صفات مذکورہ میں یہ ارتباط نہیں کہ علم کی تحقق پر انکا تحقق موقوف ہو تو یہ معنی ہو کہ علم اپنے وجود میں صفات باقیہ سے مستقل اور مستغنی ہے اور صفات باقیہ اپنے وجود میں علم سے مستقل اور مستغنی ایک کو دوسرے سے کچھ علاوہ نہیں اور یہ ہوگا تو بالبدایت دونوں اپنے اپنے تعلق میں بھی ایک دوسرے سے مستقل اور مستغنی ہونگے۔ کیونکہ اس تعلق ایک اتصال ہے سو جب تحقق میں تباین اور انفصال ہے تو تعلق میں بھی تباین اور انفصال ممکن ہے ظاہر ہے کہ جو دو چیزیں جدا جدا ہوتی ہیں انہیں سے ایک کا اتصال کسی چیز کے ساتھ دوسرے کے اتصال پر اس چیز سے موقوف نہیں ہوتا ان اگر ایک کا تحقق دوسرے کے تحقق پر موقوف ہو یعنی باہم وہ نسبت ہو جو جسم میں اور سطح میں ہوتی ہے تو پھر جسکا تحقق دوسرے کے تحقق پر موقوف ہوگا اسکا تعلق بھی دوسرے کے تعلق پر موقوف ہوگا اور کیوں نہ ہو اس صورت میں موقوف علیہ منشا انتزاع اور علت اور مصدر ہوگا اور موقوف امر انتزاعی اور معلول اور صادر اور ظاہر ہے کہ امر انتزاعی کا تعلق منشا انتزاع اور معلول کا تعلق منشا علت اور صادر کا تعلق منشا علت تصور نہیں کیونکہ انتزاعیات اور معلولات اور صادرات کا وجود مناشی انتزاع اور علت اور مصدر کے وجود سے جدا نہیں ہوتا بلکہ مثل وجود سطح جو جسم کے وجود کی انتہا ہوتا ہے وہ بھی اپنے مناشی اور علت اور مصدر کے وجود کی انتہا اور نہایت ہوتے ہیں اسلئے جیسے تعلق یعنی اتصال سطح بے تعلق و اتصال جسم ممکن نہیں ایسے ہی اتصال تعلق انتزاعیات منشا اتصال تعلق مناشی تصور نہیں خواص اگر علم کو اور صفات مذکورہ کے لئے منشا انتزاع اور علت تسلیم کریں تب تو یہ توقف تعلق صحیح ہو سکتا ہے ورنہ یہ توقف ہرگز صحیح درست نہیں ہو سکتا لیکن جب علم نسبت صفات باقیہ منشا انتزاع اور علت مانا تو پھر یہ بات بھی واجب التسلیم ہے کہ اور صفات کا وجود علم کے وجود پر اور انکا تحقق علم کے تحقق پر موقوف ہے مگر اہل فہم سمجھتے ہونگے کہ اس تقریر میں وجود و تحقق علم اور وجود و تحقق صفات سے مراد نہیں جسکو عوام علم و ارادہ سمجھتے ہیں انکے نزدیک مسمیٰ بالعلم والقدرۃ وہی مرتبہ تعلق ہے جسکو ہم مرتبہ تحقق سے علیحدہ تجویز کیا ہے بلکہ

وہ مرتبہ مراد ہے جو اپنے مفعول سے متعلق ہوتا ہے توضیح کے لئے ایک دو مثال معروض ہے۔ نور آفتاب قمر یا قوت باصرہ و غیرہ اور چیز ہے اور بعد تعلق نور یا تعلق قوت باصرہ و ناطقہ حیاتیات حاصل ہوتی ہے وہ اور چیز ہے اگر فرض کروں آفتاب قمر زمین آسمان سے متعلق نہ ہو یا قوت باصرہ و ناطقہ مبصرات و مفلوظات سے متعلق نہ ہو تو کسی عاقل کے نزدیک یہ ہوگا کہ آفتاب قمر زمین نور زمین یا اکملہ و زبان میں قوت باصرہ اور قوت ناطقہ نہیں جنھیں آفتاب قمر و چشم و زبان کا نور اور قوت سے مذکور کے ساتھ موصوف ہونا اس پر موقوف نہیں کہ نور زمین وغیرہ سے متعلق ہو یا قوت باصرہ اور قوت ناطقہ مبصرات اور مفلوظات سے متعلق ہو یا ان میں کامور ہونا اور مبصرات اور مفلوظات کا بالفعل مبصر اور مفلوظ ہونا اس پر موقوف ہے کہ نور زمین سے متعلق ہو اور قوت باصرہ اور قوت ناطقہ مبصرات اور مفلوظات سے متعلق ہو فرض مفعول کا کسی صفت کے ساتھ موصوف ہونا اس پر موقوف ہے کہ فاعل کی وہ صفت اس سے متعلق ہو اور فاعل کا موصوف ہونا اس پر موقوف نہیں کہ اسکی وہ صفت اسکے مفعول کے ساتھ متعلق ہو سو وہ مرتبہ بیان مراد ہے جس پر فاعل کا موصوف ہونا موقوف ہے وہ مرتبہ مراد نہیں جس پر مفعول کا موصوف ہونا موقوف ہوتا ہے الغرض خداوند عالم جو دیارہ صفات خال ہے مفعول نہیں بلکہ اسکے لئے مفعول مخلوقات عالم ہیں قبل تعلق صفات بالمخلوقات بھی موصوف بالصفات تھا سو وہ مرتبہ جبکہ تعلق حاصل تھا ہی علم میں موقوف علیہ ہے اور صفات باقیہ میں وہ مرتبہ اس پر موقوف اور بچہ توقف بھی فقط تعلق ہی میں نہیں بلکہ تحقق میں توقف ہے سو جب یہ ثابت ہو گیا کہ قبل مرتبہ تجلی مذکور اطلاق علم کے کوئی صورت نہیں کیونکہ عالمی وہ تمیز ہو اور ظاہر ہے کہ قبل مرتبہ مذکور تمیز مذکور ممکن نہیں اور کیونکہ ہوتا ہے اور امتیاز کے لئے ایک تمیز دوسرا تمیز معنیہ چاہیے اور قبل مرتبہ مذکور حدت و وحدت کے اثبات حقیقی ہے نہ اعتباری البتہ بعد مرتبہ مذکور یہ بات حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ ظاہر ہے اسلئے کہ ہر چیز کا قبل مرتبہ مذکورہ اطلاق علم ناجائز ہے اور جب اطلاق علم ناجائز ہو تو اطلاق دیگر صفات بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا مگر اس سے کوئی بندہ سمجھے کہ قبل مرتبہ تجلی مذکور یعنی مرتبہ ذات پاک صفات سے معری ہے اور جب صفات مذکورہ نہیں تو انکی ضد ہونگی اور اسوجہ سے ذات پاک کا سراپا عیب ہونا لازم آئے گا کیونکہ جیسے ہم اپنے اندر دیکھتے ہیں کہ اگر مینائی نہیں ہوتی تو پھر نابینائی ہوتی ہے اسلئے جب مرتبہ ذات میں صفات کمال نہ ہونگی تو پھر خواہ مخواہ انکے اضداد یعنی نقائص اور عیوب ہی ہونگے وجہ اسکی کہ یوں نہ سمجھنا چاہیے یہ کہ اطلاق اسماء صفات سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصول صفات بھی نہ ہو اگر بن تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسے اصل دھوپ یعنی نور شعاون میں زیادہ ہے اور خود حرم آفتاب میں وہ اصل شعاعوں سے بھی کہیں بڑھ کر گریا اینچہ مرتبہ شعاع پر اطلاق دھوپ ناجائز ہے اور مرتبہ آفتاب پر اطلاق شعاع ناروا اور اگر کہیے تو شعاع کے حق میں دھوپ کہنا بمنزلہ شام ہے اور آفتاب کے حق میں شعاع کہنا بمنزلہ گالی اور وجہ اسکی یہ ہے کہ کارپردازی شعاع و دھوپ یعنی تنویر تو اصل نور سے متعلق ہے اور اطلاق ہم شعاع و دھوپ میں اسکی برائے ہے جو بوجہ تنزل مرتبہ شعاع نسبت مرتبہ شمس شعاع میں ہوتی ہے اور بوجہ تنزل شمس دھوپ نسبت مرتبہ شعاع و دھوپ میں ہوتی ہے جیسے ہی مرتبہ ذات میں اصول مستقام موجود ہیں پر اطلاق اسماء صفات اس مرتبہ پر اس مرتبہ کی تو ہیں جو فرض باین نظر کہ مرتبہ صفات مرتبہ ذات سے صاف ہوتا ہے اور مرتبہ تجلی مذکور مرتبہ اصل کا

پرتوہ ہوتا ہے جو کچھ مرتبہ صفات اور مرتبہ تجلی میں ہوگا وہ مرتبہ ذات اور مرتبہ اصل میں اول ہوگا مگر مابین نظر کہ کا گذر نہ
 صفات اور کارپردانی تجلی مذکورہ وہ اس اصل سے مربوط ہے جو ذات سے صادر اور اصل کا پرتوہ ہے اور اطلاق اسماء میں
 اس کی نظر ہے جو ترتیل مرتب کو لازم ہے تو اطلاق اسماء مذکور تو ناروا ہوگا پر اسکا اقرار لازم ہوگا کہ اصل صفات مرتبہ ذات
 مرتبہ صفات کہیں بڑھ کر بھی باقی رات ترتیل مراتب وہ خود اس سے ظاہر ہے کہ مرتبہ صفات معلول مرتبہ ذات اور مرتبہ
 معلول اور پرتوہ مرتبہ اصل ہوگا تاہی اس تقریر سے اہل فہم کو واضح ہو گیا ہوگا کہ حکما ریوان کا یہ قول کہ صفات باری عین ذات باری
 میں گویا بن خیال صحیح ہے کہ مرتبہ ذات باری میں اصول صفات مرتبہ صفات سے بڑھ کر ہیں پر بانویہ غلط ہے کہ مرتبہ ذات پر
 اسماء صفات کا اطلاق انکے قول سے لازم آتا ہے اور ہر اسکے ساتھ دوسری غلطی ہے کہ مرتبہ صفات کا انکار کرتے ہیں اطلاق صفات
 کا مرتبہ ذات پر صحیح غلط ہونا تو آشکارا ہو گیا پر اقرار وانکار میں شاید منہ نہ مائل ہو اس لئے یہ گذارش ہے کہ وجہ انکار حکما تو فقط یہ ہے
 کہ در صورت اقرار مرتبہ صفات تکمال ذات بالغیر یعنی بالصفات لازم آئے گا چنانچہ شخص کو یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ مرتبہ ذات میں
 اصل صفات مرتبہ صفات سے بھی بڑھ کر ہے اسکو یہ دہم ہرگز موجب خجماں نہ ہوگا مگر اگر مرتبہ ذات کو اس اصل سے معری ماننے تو
 یہ بات بیشک لازم آتی بلکہ اہل فہم کو تو بعد سماع تقریر مذکور یہ واضح ہو جائیگا کہ محالہ بالعکس ہے یعنی مرتبہ ذات کو اپنے کمال میں محتاج
 مرتبہ صفات کیا ہوتا تھا مرتبہ صفات اپنے وجود میں محتاج مرتبہ ذات ہے توضیح کے لئے وہی مثال آفتاب شعاع دو صوبہ کافی ہے یعنی کوئی نہ
 جانتا کہ آفتاب اپنے نور میں محتاج مرتبہ شعاع اور مرتبہ شعاع اپنے نور میں محتاج مرتبہ صوبہ نہیں بلکہ محالہ بالعکس ہے یعنی خود مرتبہ
 شعاع اپنے تحقق میں محتاج مرتبہ آفتاب اور مرتبہ صوبہ اپنے تحقق میں محتاج مرتبہ شعاع ہے یہاں جو کچھ کمال ہے خود اور پر سے مانو جو
 سو یہی صورت خدا کی ذات اور صفات میں بلکہ تمام موصوفا اور انکے صفات میں ہے۔ فہم و عقل کی ضرورت ہے انسان کے علم و قدرت و
 صفات کا بھی یہی حال ہے اور کیوں نہ ہو جسند کو درون جگہ شکر ہے یہاں بھی ہے کہ مرتبہ صفات معلول مرتبہ ذات اور صادر مرتبہ ذات
 ہے فرق ہے تو اتنا ہے کہ ذات خداوندی قدیم اور واجب ہے اور اسوجہ سے انکی صفات بھی قدیم اور واجب ہیں اور ذات انسان وغیرہ مخلوق کا
 حادث و ممکن ہے اور اسلئے انکی صفات بھی حادث اور ممکن ہیں پر انکی ذات و صفات کا حادث ایسا ہے جیسے وہ کچھ حادث ہے
 جیسے شعاع آفتاب تو ذات آفتاب کے ساتھ ہے جب سے وہ ہے جب ہی سے یہ ہے برصوبہ میں یہ بات نہیں پر بانویہ صوبہ بھی عین
 ہے اور اسوجہ سے مصدر نورانیت کچھ نہ کچھ ہوتی ہے جب سے کہ اسکے قریب جو زمین کچھ نہ کچھ ہوتا ہے یعنی نہیٹ اندھیرا چلتا
 ایسے ہی صفات باری تو ذات باری کے ساتھ ہیں جب سے وہ ہے جب ہی سے وہ بھی ہیں وہ قدیم ہے تو یہ بھی قدیم ہیں پر ذات
 ممکن اور صفات ممکن ہیں یہ بات نہیں انہیں وہ قدم نہیں جو ذات و صفات میں ہے مگر بانویہ ذات ممکنات بھی عین وجود ہے اور
 اسوجہ سے کہ بقدرت کہ بقدرت مصدر و مظهر آثار وجود ہوتی ہے سو وہ آثار وجود کیا ہیں ہی صفات میں ہے جب سے کہ نہیٹ وجود انکا کھتی
 ممکن نہیں ہے مگر یہ ہے تو ہم چاہیں کہ ہم نام وجود ہوگا مگر نام صفات وجود کا ہونا بھی ضروری ہے تفصیل اس اجمال کی تو نشانہ
 انہیں اوراق میں کہیں نہ کہیں ملے گی اس لئے یہاں زیادہ شرح کی ضرورت نہیں پر بقدر ضرورت اشارہ بھی شریعت معلوم

ہوتا ہے۔ تیسرے جب تحقق صفات ثبوت وجود پر موقوف ہو تو خواہ مخواہ یہ کہنا پڑیگا کہ صفات وجودیہ بہ نسبت وجود ایک امر
اشترعی اور معلول ہیں اور اس وجہ سے فیما بین وجود و صفات اسی نسبت کا تسلیم کرنا پڑیگا جو فیما بین مصدر و صا و ہوا کرتی
ہے نہ ثبوت صفات کے لئے ثبوت وجود کی کیا ضرورت تھی یعنی جب صفات وجود سے صادر ہی نہیں ہوتیں تو انکا تعلق
یعنی اتصال کسی موصوف کے ساتھ تعلق وجود پر یعنی وجود موصوف پر کیوں موقوف ہوتا اس قسم کی تقریر چونکہ قریب ہی مرقوم
ہوئی ہے اسلئے اتنا اشارہ بھی کافی ہے۔ بالجملہ صدور صفات وجودیہ من الوجود واجب التسلیم ہے۔ اور چونکہ مصدر سے صادر جدا
نہیں ہوا کرتا اور ہوتا کیونکہ ہوا معلول بھی کہیں علت سے جدا ہوا ہے تو خواہ مخواہ یہ ہی ماننا پڑیگا کہ جہاں نام وجود ہوگا خواہ نباتات میں
خواہ جمادات میں وہاں علم و قدرت صفات وجودیہ بھی ضرور ہونگی۔ فرق ہوگا تو بوجہ مزید قابلیت و نقصان قابلیت کی و بیشی صفات کا
ایسا فرق ہوگا جیسے آئینہ وغیرہ اجسام میں کمی و بیشی قبول نور کا فرق ہوتا ہے بالجملہ مصدر سے صادر جدا نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ وہ
شعاعیں جو آفتاب سے صادر ہوتی ہیں بلکہ زمین و مریخ وغیرہ سے بھی اتنی ایک جانب متصل ہوتی ہے تو آفتاب سے متصل نہیں ہوتیں۔ قمر
زمین سے متصل ہوجاتی ہیں اور قمر وغیرہ سے بھی انفصال اگر ہوتا ہے تو بحیثیت اتصال ہی ہوتا ہے بحیثیت صدور نہیں ہوتا یعنی وہ
اتصال جاتا رہتا ہے بوجہ صدور من الشمس شعاعوں کو قمر کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے پر وہی شعاعیں بعد اتصال جب قمر سے صادر ہو کر
کسی اور طرف کو جائیں تو پھر قمر سے انفصال ممکن نہیں ہاں زمین وغیرہ ان اشیا سے انکا انفصال ممکن ہوگا جنکی طرف قمر سے
صادر ہو کر جاتی ہیں چنانچہ قمر زمین وغیرہ میں اگر کوئی جسم کشف حال ہو جاتا ہے تو وہ شعاعیں زمین وغیرہ ہی سے جدی ہو جاتی
ہیں پھر قمر کے ساتھ اسی طرح چسپاں رہتی ہیں جیسے در صورتیکہ قمر اور آفتاب کے بیچ میر۔ کوئی جسم کشف آجائے تو قمر سے شعاعیں
متصل ہوجاتی ہیں پر آفتاب سے متصل نہیں ہوتیں۔ الغرض ذات باری اور ذوات مخلوقات میں فرق قدم و حدوث و لوازم قدم
و حدوث ہے مگر یہ فرق ایسا ہی جیسا آفتاب اور اس کے عکس میں یا اس اور تصویر میں ہوا کرتا ہے یعنی عکس آفتاب بہ نسبت آفتاب شان الوجود
ہو اور نہ عکس غلط و شان بھی نہیں ہوا آفتاب میں ہوتی ہے علی بنہ القیاس تصاویر کا عکس کو خیال کریجئے مگر اس سے اس بات
کچھ فرق نہیں آیا کہ جیسے آفتاب مصدر نور تھا ایسے ہی عکس آفتاب بھی مصدر عکس نور ہے یا جیسے صورت یوسفی مثلاً دریا و عالم
تھی تصویر یوسفی میں بھی وہی و بڑی کی صورت ہے سو ایسے ہی اس تاخر وجود سے جو حادث کو بہ نسبت قدیم لازم ہے اور اس حقاقت
ذات سے جو مخلوقات کو بوجہ احتیاج بہ نسبت خالق فنی حاصل ہو اس میں فرق نہیں آسکتا کہ ذات واجب جو فی الحقیقت مصدر اول
ہے کیونکہ وہ تجلی جو مصدر معلوم ہوتی ہے وہ بھی اسیکا پرتو ہے۔ یا یون کہیے تجلی اول یعنی وہ تجلی جو بہ نسبت ذات باریکات بمنزلہ مرکز
دائرہ اوسمی باسم موجود اسم جمیل اسکو قلد و یا ہے اگر مصدر صفات واجب ہے تو ذات ممکن مصدر صفات ممکنہ ہے اور کیوں نہ
آخر ممکنات اور مخلوقات تمام ہا عکس تجلیات ذات باریکات ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ ظہور آثار علم و قدرت جو بالبدنہ مخلوقات
میں مشہور ہونے اسکے متصور نہیں کہ عکس علم و قدرت وغیرہ صفات کا یہ پر وانا آثار نہ دیکھ سکیں کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ دائرہ کے
احکام و آثار دائرہ ہی میں پائے جاتے ہیں مثلاً اور مربع میں انکا تحقق اور ظاہر ممکن نہیں اور مثلاً و مربع وغیرہ کے حکام

و آثار مثلث و مربع وغیرہ ہی میں پائے جاتے ہیں دائرہ میں انکا تحقق اور ظہور ممکن نہیں غرض آثار و احکام بہ نسبت ہوئے و محکوم
 لازم ذات ہوتے ہیں اور ظاہر ہی کہ اختلاف لوازم ذات دلیل اختلاف ملزوم اور اتحاد لوازم صفات دلیل اتحاد ملزوم ہوتا ہے چنانچہ
 تمام اہل عقل بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں اور عقل سلیم بھی اسپر شاہد ہے اگر ہوتا مل ہو تو سن لیجئے لازمات اور لوازم وجود میں اگر
 فرق ہے تو یہ ہے کہ لوازم ذات اور آثار ذاتیہ تو ذات ملزوم و موثر سے صادر ہوتے ہیں اور لوازم وجود آثار وجود ذات وجود سے
 غرض لوازم و آثار وجود لوازم ذات وجود اور آثار ذات وجود ہوتے ہیں برعکس تو آثار و جہات سے صادر ہوتے ہیں مختلف
 رنگ کے آئینوں میں اگر مختلف رنگوں میں ظہور کرتا ہے اور مختلف شکل کے روشنیوں میں اور صحنوں میں اگر مختلف شکل
 میں نمایاں ہوتا ہے ایسے ہی لوازم و آثار وجود جو مطلق سے صادر ہوتے ہیں برعکس یعنی ذات و مہیات
 مختلف ہیں اگر انکے انداز مختلف ہوجاتے ہیں سو یہ فرق حرارت آتش و برصت آب مثلاً اس قسم کا ہے جیسا فرق الوان و اشکال
 انوار و صورت و مفرضہ میں ہوتا ہے بیان اگر تضاد ہے تو وہاں بھی یہی تضاد ہے چنانچہ ظاہر ہی اور پھر یوں ہی کہتے ہیں کہ روشنی و
 لہذا آئینہ کا نور بھی آفتاب ہی سے صادر ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس لوازم وجود گویا مہیات مختلفہ میں اگر مختلف انداز مل میں ظہور کو
 قطع نظر ان امانت کے اصل لوازم مذکورہ ذات وجود ہی سے صادر ہوتے ہیں۔ ان یوں کہیے کہ اختلاف مذکور کی بنا پر لوازم
 وجود و لوازم مہیات پر ہی یعنی لوازم وجود اور لوازم مہیات دونوں ہم ہو کر ایک نیاز یک دکھلاتے ہیں۔ جیسے نے خراج نور و
 شکل و روشنی و رنگ و آئینہ و نور و شکل اور نور و رنگ کے حصول کی کوئی صورت نہیں ایسے اختلاف صفات وجود بہ نسبت جمیع
 لوازم وجود و لوازم مہیات ممکن نہیں بالقصد لوازم کی دو قسمیں ہیں ایک لازم مہیات وجود و دوسرا لازم مہیات موجودہ انحصار کی
 وجہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ کارخانہ وجود میں خود وجود ہی یا مہیات موجودہ مگر ہر جہاں باوجود سب کا لازم ہوگا اس سے اسکا حاصل
 ہونا ضروری نہ لازم کی کوئی صورت نہیں چنانچہ چنانچہ اولیٰ پہلے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بحیثیت صدور ہی اتصال ہوتا ہے و
 انفصال ممکن ہے اور ظاہر ہی کہ انفصال ہوتا ہے نیز لازم کہان مگر یہ یہ ٹھہری کہ لوازم مہیات تو مہیات سے صادر ہوتے ہیں بلکہ لوازم
 وجود خود وجود سے تو پھر اسکا تسلیم کرنا بھی لازم ہے کہ لوازم مہیات لوازم وجود نہیں اور لوازم وجود مہیات نہیں اور ایک مہیات کا
 لازم دوسرے مہیات کی نسبت لازم ہو سکیں کیونکہ جب لازم صادر کا نام ہوا اور مصاد میں بتابین ہو تو بالضرور صادرات میں
 بھی بتابین ضروری ہے ورنہ در صورت اتحاد لوازم یہ لازم آئے گا کہ مصاد میں بھی اتحاد ہو تبابین نہ ہو کیونکہ صدور تو ہے اسکے ممکن ہی نہیں
 کہ اعلیٰ صادر صدر میں مخفی و مستتر ہو اور پھر جب صدور اوصاف کو لازم ضروری ہوا تو یوں ہی کہنا پڑیگا کہ صادر و تحقیق مصاد
 ہی کا پھیلاؤ اور ظہور ہی سو اگر مصاد میں اتحاد ہی تو یہاں اتحاد پہلے ہوگا اور انہیں اختلاف اور تعدد اور بتابین ہی تو
 یہاں اختلاف اور تعدد اور بتابین پہلے ہوگا غرض اختلاف آثار ذاتیہ و لوازم ذاتیہ دلیل اختلاف اثرات و ملزومات ہے اور اتحاد و
 آثار ذاتیہ دلیل اتحاد و موثرات و ملزومات اور اتصال عموم لازم و اثر پر عدم انتاج دلیل اتنی اسوقت تک جب تک لازم اور اثر
 کا لازم ذاتی اور اثر ذاتی نہ ہونے معلوم ہو مگر یہ بات سبکو معلوم ہے کہ قبل وجود مخلوقات بھی صفات باقی موجود تھیں اور خدا تعالیٰ

قبل ایجاد عالم بھی موصوف بصفات کمال تھا اور کیون نہ ہو عالم میں جو کچھ ہے وہ فیض جناب باری ہے اگر زمین پہلے سے کمالات نہ ہوتے تو مخلوقات میں یہ کمالات کہاں سے آتے باجملہ صفات باری قبل وجود علم ذات باری تعالیٰ کو لازم نہیں اور تمام صفات باہم متماثل اور ایک دوسرے سے متمیز اس صورت میں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کے احکام اور آثار دوسری صفت سے منور ہوں پھر جس صورت میں مخلوقات میں وہ احکام اور آثار پائے جاتے ہوں تو باری نظر کہ مخلوقات حادث ہیں قدیم نہیں یہی کہنا چاہیگا کہ مظاہر آثار و لوازم مذکورہ یا عکس صفات ہیں یا انکی تصاویر یا ان سے علم کہ جیسے نقوش کا غذا الفاظ نباتی پر مطبق اور الفاظ صوتی پر مطبق ہیں اور اسوجہ سے نقوش کو تصویر الفاظ اور الفاظ کو تصویر معانی کہہ سکتے ہیں کیونکہ تصویر میں بھی اظہار ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے مگر یا اینہما ایک انگہ مستح نظر آئے اور ایک کا نون سے ستائی سے اور ایک عقل سے سمجھ میں آئے اور اس وجہ سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نقوش کو الفاظ سے کیا نسبت اور الفاظ کو معانی سے کیا نسبت ایسے ہی باوجود انطباق مذکور جوہر تباہ قدم و حدوث و لوازم قدم و حدوث ہی کہنا چاہیگا کہ نسبت خلک را با عالم پاک فی خیرہ قصہ و تطویل ہے اصل مطلب یہ ہے کہ بعد انطباق نہ کہ فرق قدم و حدوث سے یہ فرق نہیں ہو سکتا کہ صفات باری تو ذات باری سے صادر ہوں اور صفات ممکنات ذات ممکنات سے صادر ہوں اور جب یہ ٹھہری تو پھر اصل صفات کو ہر جگہ ذات موصوف میں ماننا چاہیگا بر اطلاق اسماء صفات مرتبہ ذات موصوف پر کہیں جائز نہ ہوگا بسویہ حکما و یونان کا مرتبہ ذات باری بر اطلاق اسماء صفات کرنا اور اس بات میں صفات باری غراسمہ میں مرتبہ صدور کا انکار کرنا بھی انکی غلط فہمی کی دلیل ہے تو فیض اس مقال کی یہ ہے کہ بنا بر حدوث عرض پر یہی جو قاق مل جلالات و کمالات وجود خالق تعالیٰ شانہ اگر ذات ممکنات پر عارض نہیں تو باوجود کمالات وجود ممکنات خانہ زاد ممکنات ہو یا نہ ہونگے اگر خانہ زاد کہیے تو قدم ممکنات لازم آتا ہے کیونکہ بنا بر قدم وجود کمالات وجود خالق ہی پر ہے کہ خدا تعالیٰ میں یہ سب خانہ زاد ہیں چنانچہ اہل فہم کے لئے تقریرات گذشتہ اس بات میں کافی ہیں اور خانہ زاد نہ کہیے اور عرض یعنی عطار خارجی بھی تسلیم نہ کیجئے تو پھر ممکنات کے وجود اور کمالات وجود کی کوئی صورت نہیں کیونکہ کسی شے کی کہیں ہونے کی بھی دو صورتیں تھیں خانہ زاد ہو یا عطار غیر جب دونوں نہیں تو پھر ممکنات کے وجود اور انکے کمالات وجود یہ کی کوئی صورت رہ گئی اسلئے خواہ مخواہ غور کا اقرار کرنا چاہیگا اور جب عرض کا اقرار کیا تو پھر مرتبہ صدور کا آپ اقرار لازم ہوگا کیونکہ جب عرض ہی اور صدور نہیں تو پھر موصوف اصلی ہی کو موصوفات پر عارض ماننا چاہیگا اور اسوجہ سے خواہ مخواہ موصوفات پر اطلاق موصوفات اصلیہ کا صحیح ہونا واجب التسلیم مگر کون نہیں جانتا کہ ممکنات بر اطلاق واجب کشتی نشینوں بر اطلاق کشتی اور زمین منور پر اطلاق شمس و قمر کی سطح نظر ان عرض مرتبہ صدور کا تسلیم کرنا اہل عقل کے فتنے تمام موصوفات میں ضروری ہے وہ موصوفات اقسام جب ہوں یا اقسام ممکن اور جبکہ مرتبہ صدور میں دو اعتبار ہیں ایک اعتبار اصل جس پر کار پر ذاتی صفات ہوتا ہے اور اصل موصوف میں بدو جادوی اور اصل ہوتی ہے دوسرا اعتبار تشل جس پر اطلاق اسماء صفات ہے تو اب اگر صفات اصلیہ صادرہ کو لا غیر موصوف کہیں تب صحیح ہے اور لا محسن موصوف کہیں تب صحیح ہے غرض حکما و یونان کا یہ قول کہ صفات باری عین ذات باری ہیں اور اسوجہ سے

مرتبہ ذات بلدی پر اطلاق اسماء صفات کرنا اور مرتبہ صدور سے انکار کرنا اور اس نام میں واجب اور ممکن میں فرق کرنا اور
غلط ہے مگر جیسے حکماء کا یہ قول غلط ہے ویسا ہی معتزلوں کا یہ قول بھی غلط ہے کہ مرتبہ ذات محض معتر ہے لہذا صفات اسکی
کمیل ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں صفات کمالیہ غائزہ ذات ہونگی بلکہ عطار غیر ہونگی اور چونکہ صفات کمالیہ کا مستند وجود
ہوتا ظاہر ہے اور صفات وجودیہ کا لازم ذات وجود ہونا ان اوراق میں ظاہر ہو چکا ہے تو یہ بھی اسکے ساتھ ماننا طریقہ کا کہ وجود
جنا خیاقدی بھی عطار غیر ہے اور اسلئے بجائے خدا خدی خدا کی بندگی کا اقرار لازم ہوگا نفوذ باندہ من امثال ہذہ الخرافات۔ صحیح
یہ ہے کہ مرتبہ صدور واجب التسلیم ہے اور پھر اس پر مرتبہ ذات محض معتر نہیں بلکہ اصل صفات مرتبہ ذات میں مرتبہ صفات بھی
بڑھ کر ہے اور اسلئے اطلاق اسماء صفات مرتبہ ذات پر جائز نہیں بلکہ اس میں اسکی توہین ہے اور وجہ اسکی وہی ہے کہ اطلاق اسماء صفات
میں اس کی پر نظر ہے جو وجہ تنزل صفات نسبت مرتبہ ذات میں ضروری ہے سو یہی وجہ ہے کہ تجلی اول سے پہلے اطلاق
اسم موجود اور اسم جمیل بھی درست نہیں۔ مان اس مرتبہ پر اطلاق اسم جمیل اور اطلاق اسم موجود دونوں درست بلکہ واجب ہے کیونکہ
جیسے آفتاب مبداء انوار صادر ہے یعنی شروع نور اس شکل سے ہے ویسا ہی ہر موصوف میں شکل موصوف سبب صفات صادر ہوتی
ہے سو اگر اس سبب پر اطلاق اسماء مذکورہ معانہ تو پھر وسط اور منشی پر کاہیکو یہ اطلاق ہو گا گناہ یہ ہے تو پھر تجلی اول پر اطلاق اسماء
صادرہ من التجلی بالضرر ضروری ہوگا کیونکہ تجلی مذکور مبداء صفات صادر ہے چنانچہ لفظ فرایان اوراق گذشتہ کو یہ غمخون خود بخود شگفت
ہو گیا ہوگا مگر اتنی بات ملحوظ خاطر اہل نظر ہے کہ صدور اور چیز ہے اور ظہور اور چیز ہے صدور کے لئے ظہور لازم ہے پھر کو صدور ضروری نہیں
ظہور فقط اتنی بات کا خدشہ گناہ ہے کہ مدد کے جسکے بر صدور کے لئے علاوہ قابلیت اور اک امکان تعدی بھی جانیے یعنی کسی چیز پر جو
بھی جسکے اگر یہ فرق مقتضا وضع ہے چنانچہ فوق و عریضہ اس پر شاہد ہے تب تو خیر نہ اصطلاح میں تو کچھ حرج نہیں اگر فرق
مقتضای وضع اول نہ تھا تو اب ہم اپنی اصطلاح میں ظہور صدور میں یہ فرق کرتے ہیں اور پھر بطور مثال یہ عرض کرتے ہیں
حسن و قبح و شکل و صوت و سطح و اجسام میں تو ظہور ہی صدور نہیں کیونکہ مدد کے تو یہی ہے کہ کسی مفعول اور مفعول میں کسی طرف تعدی اور
عرض نہیں ہوتا اور آفتاب اور حرارت آتش میں ظہور تو تھا ہی صدور بھی ہے اسلئے کہ علاوہ اس اس مادہ اک جو شرط ظہور ہے
تعدی بھی موجود ہے نور آفتاب معطی اور اشجار و کسائر بر عارضہ واقع بھی ہوتا ہے یہ نہیں کہ مثل حسن و قبح وغیرہ اوصاف لازمہ اپنے
موجود کے لئے ہے اسی وقت ہے اسکے بعد یہ گزارش ہے کہ تجلی اول میں تو فقط ظہور ہی صدور نہیں اور صادر اول میں علاوہ
ظہور کو صدور بھی موجود ہے کیونکہ تجلی اول تو بہتر شکل آفتاب ہے جو آفتاب سے متعدی نہیں ہوتی آفتاب ہی کے ساتھ کیا
رہتی ہے اور صادر اول بہتر نور آفتاب ہے جو آفتاب سے صادر ہو کر زمین وغیرہ تک بھی پہنچتا ہے اسی لئے تجلی اول کو اگر جمیل کہیے
تو بجا ہے اور صادر اول کو ملک اور نافع و ضار کہیے تو بجا ہے و مان ہوجہ ظہور و ذرا ہی جملہ ملامہ سامان جمال موجود ہے اور بیان ہوجہ
اعطاء و سلب وجود کمالات وجود و نقص و ضرر و امثالہا لکیت متحقق تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صدور کے لازم ضروری اور وقوع میں
اسکان انفصال یقینی چنانچہ اوراق گذشتہ میں اسکی تحقیق سے فراغت کلی حاصل ہو چکی ہے ہر جب یہ لحاظ کیا جائے کہ وقت

تندی بوجہ صدور مذکور مصدر کی طرف سے عطا و صف ملہ ہوتی ہے اور وقت انفصال اسی وصف صادر کا انفصال ہوتا ہے جو مصدر کو لازم رہتا ہے تو خواہ مخواہ یہ کہنا پڑیگا کہ پہلی صورت میں مصدر کی طرف سے نفع رسائی ہے اور اسلئے وہ نافع ہے اور دوسری صورت میں ضرر و اضرار ہے اور اسلئے وہ ضار ہے اور جب یہ ہے تو پھر مصدر کو مالک کہنا ضروری ہے کیونکہ مالک ہی ہے جسکو اختیار و دوستی اور جسکی طرف سے دوستی و غرض تجلی اول کو جب قطع نظر صادر اول سے لحاظ کیا جائے تو وہ مستحق میل ہے اور جب باعتبار صادر اول دیکھا جائے تو پھر وہی مسمیٰ بہ مالک و ملک مدعی بنافع و ضار ہے مالک اند نفع و ضار ہوتا تو ظاہر ہو چکا کہ اس کا مالک بننا اسکی وجہ بوجہ نفع و ضرر خود ظاہر ہے آخر ملک اسکو کہتے ہیں جو حکمرانی کر سکے اور ظاہر ہے کہ بنابر حکمرانی اسی نفع و ضرر ہے اور مدار اطاعت امیدوار اندیشہ ضرر پر ہے نوکرا کا کی اطاعت امید پر کرتا ہے اور رغبت اپنے حاکم کی اطاعت اندیشہ ضرر کے باعث کرتی ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ حسب قدر اطاعت بوجہ امیدوار اندیشہ کی جاتی ہے اسکو اس اطاعت سے کچھ نسبت نہیں جو بوجہ محبت کی جاتی ہے سو ان تیرے دل سے ہوتی ہے اور یہاں اوپر کے دل سے بلکہ غم سے دیکھے تو امیدوار اندیشہ میں بھی محبت ہی کا لگا ہوا ہے اگر وہ نہ ہو تو نہ پھر امید ہو نہ خوف و اندیشہ نہ اور پھر سے اطاعت ہونہ اور پھر سے حکمرانی مطلب یہ ہے کہ امید اسی چیز کی ہوتی ہے جسکی محبت ہوتی ہے۔ اور اندیشہ اور خوف اسی چیز کے زوال کا ہوتا ہے جس سے الفت ہوتی ہے غرض مدار کار اطاعت محبت اور الفت پر ہے محبت اور الفت نہیں تو اطاعت بھی نہیں ہاں کہیں خود مطلع کی محبت ہوتی ہے جیسے محبوبوں کی اطاعت میں ہوا کرتا ہے اور کہیں کسی اور چیز کی محبت اطاعت کرتی ہے جسکا حصول اور زوال مخدوم ملکی کے ہاتھ میں ہو جیسے نوکرا اور رعیت کی مثال سے ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں اپنی محبت موجب اطاعت ہوتی ہے اور صورت محل میں مطلع کی محبت سوا یہ اطاعت ہوتی ہے آئندہ محل مخدوم و مطلع ہونا محبت پر موقوف ہے نفع و ضرر کی امید و اندیشہ میں بھی اور پردہ ہی محبت کا پردہ ہوتی ہے اسلئے محبوب اول درجہ کا مطلع ہو گا اور مالک اور ملک یعنی حاکم اور بادشاہ جسکا مخدوم و مطلع ہونا بوجہ اختیار نفع و ضرر ہوتا ہے وہ اسے درجہ میں ہونگے اس لئے تجلی اول یعنی جمیل کی معبودیت نیز میں اول ہوگی اور صادر اول یعنی مالک اور ملک اور عالم یعنی مہرور یعنی مہرور و مہرور و مہرور نمبر میں خاص کر جب یہ لحاظ کیا جائے کہ تجلی اول مصدر صادر اول ہے اسوقت تو یہ اولیت اور ثانویت اور بھی موجب ہو جاتی ہے اور یہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ خدا کا مالک اور حاکم اور نافع اور ضار ہونا جس طرح اسکے جمیل اور محبوب ہونے پر موقوف ہے ایسے ہی اسکی وہ معبودیت جو بوجہ مالکیت و حکومت ہو اس میں اس معبودیت پر موقوف ہے جو بوجہ محبوبیت ہے ہاں بوجہ نارسانی افہام یہ توقف باہمی ہے کہ سیکو معلوم نہیں ہوتا اور نفع و ضرر و امید و اندیشہ کہ نبات خضی العموم جمال اور محبوبیت اور محبت اور الفت کی ضرورت نہیں اسلئے اکثر دن کی اطاعت فقط امید و خوف سے مربوط ہوتی ہے محبت خداوندی سے انکو چند ان محبت نہیں ہوتی بہر حال تجلی اول مصدر صادر اول ہے اور اسلئے تجلی اول صادر اول سے باعتبار وجود بھی مقدم ہے اور باعتبار تحقیق عبادت بھی مقدم اور بنابر مجاہدہ عجز و الخلق خالق امید

زیادہ اسلئے عکس تجلی اول عکس صادر اول کا مصدر ہوگا کیونکہ مادہ بحیثیت مصدر لازم ہوا کرتا ہے اسلئے مفعول کا
 تقابل سے تقابل لازم متصور نہیں ورنہ لازم کہان ہوگا۔ انھیں بعد انعکاس بھی وہی لازم رہتا ہے چنانچہ مثلاً عکس آفتاب
 سے عکس ہر ہے کہ عکس آفتاب مصدر عکس نور آفتاب رہتا ہے۔ بالکل عکس تجلی اول عکس صادر کا مصدر ہوگا اور اسلئے تجلی گاہ
 تجلی اول نمایاں گاہ صادر اول سے وجود میں بھی مقدم ہوگا۔ اور خلعت و اقتدار میں بھی اس سے زیادہ باقی رہا ہے کہ اگر مصدر
 میں بعد انعکاس بھی یہ علاقہ ملازمت باقی رہتا ہے تو اگر عکس میں مصدر کو صادر لازم ہوگا تو جو صادر بھی وقت انعکاس سے وجود
 متصور نہیں ہو سکتا اس صورت میں اگر کوئی چیز تجلی گاہ مصدر ہوگی تو تجلی گاہ صادر بھی ہوگی اور تجلی گاہ صادر ہوگی تو تجلی گاہ
 مصدر بھی ضرور ہوگی پھر یہ فرق کیونکر متصور ہو کہ تجلی گاہ تجلی اول نمایاں گاہ صادر اول سے وجود میں بھی مقدم ہوگا اور خلعت
 و اقتدار میں بھی زیادہ یہ بات ہوتی ہے کہ متصور ہوتی ہے کہ تجلی گاہ تجلی اول تجلی گاہ صادر اول نہ ہوتا۔ اس شہ کا جواب یہ ہے کہ
 تو بیشک ممکن نہیں کہ تجلی گاہ تجلی اول تجلی گاہ صادر اول نہ ہو اگر یہ ہو تو یہی اقصیٰ ہو کہ کوئی آئینہ منظر و منظر آفتاب یعنی
 تجلی گاہ آفتاب اور محل انعکاس آفتاب تو ہو پھر منظر و منظر آفتاب اور تجلی گاہ آفتاب اور محل انعکاس نور آفتاب نہ ہو
 سورہ کو نسا دلوانہ ہے جو ایسی غلط بات کو تسلیم کر لیا۔ بالبابہ یہ بات سیکے نزدیک غلط ہے پر جیسے اسکے غلط ہونے
 میں کسی کو تامل نہیں ہو سکتا ایسے ہی اسکی صحت میں بھی تامل ممکن نہیں کہ صادر کسی تجلی گاہ میں جلوہ افروز یعنی عکس
 ہو اور مصدر نہ ہو اگر ہنوز سمجھ میں نہ آیا ہو تو مندر روشن میں آئینہ کو آفتاب سے ذرا منحرف کر کے رکھ دیجئے اور پھر دیکھئے
 کہ باوجود عدم انعکاس آفتاب نور آفتاب اس آئینہ میں منعکس ہوتے ہیں کہ نہیں اور اس آئینہ سے باوجود عدم انعکاس
 آفتاب شعاعیں نکلتی ہیں کہ نہیں اور اگر یوں کہیے کہ در صورت انحراف مشارالہ عکس آفتاب آئینہ میں جلوہ افروز ہوگا
 پر دیکھئے والے کو بوجہ عدم تقابل جواب اک والبصار کے لئے ضرور ہے نظر نہیں آتا اگر چاہے دیکھو کیئے تو عکس آفتاب
 بھی زمین نظر آتا ہے۔ ان مثل تقابل کامل وسط آئینہ میں نظر نہیں آتا ایک طرف کو نظر آتا ہے تو اول تو ہم یہ کہہ سکتے
 ہیں کہ یوں ہی سہی پر مدعا بات ضرور ہے اور تجلی گاہ کا تجلی گاہ ہونا اور نمایاں گاہ کا نمایاں گاہ ہونا اک والبصار اور
 موقوف ہی گئی نہی آدم وغیرہم کو کسی تجلی گاہ ربانی میں عکس تجلی اول اسوجہ سے مدک کش ہو نہ ہو سکے کہ جیسے در صورت
 انحراف آئینہ اسوقت جبکہ خطوط اشعاع اسے بصری خطوط انوار منعکس سے متقاطع ہو جائیں عکس آفتاب آئینہ مشہود نہیں
 ہوتا جیسے ہی بائیں جہاں اس مقام میں جو منجملہ مقامات جو مقام بنی آدم وغیرہم ہے عکس تجلی اول سے تقابل کامل نہیں
 اور اسوجہ سے اس مقام میں اسکا مشہود ہونا ممکن نہیں تو ایسی تجلی گاہ بنی آدم وغیرہم کے حق میں جبکہ سمور بالعبادہ ہیں
 تجلی گاہ صادر اول ہی ہوگی تجلی گاہ مصدر یعنی تجلی اول نہ ہوگی کیونکہ تجلی کو یہ بھی ضرور ہے کہ جسکے لئے ہو اسکا البصار اور
 مدبر بھی ممکن ہو غرض اول تو بوجہ نہ کہ یہ ممکن ہو کہ کوئی تجلی گاہ تو بنی آدم کے حق میں تجلی گاہ مصدر و صادر دونوں
 ہوا کہ کوئی تجلی گاہ فقط تجلی گاہ صادر ہو تجلی گاہ مصدر نہ ہو مگر چونکہ اس صورت میں تعلق عبادت فقط عکس صادر ہی

ہوگا۔ عکس مصدر سے ہوگا اور اسلئے وہ قبلہ عبادت مجبوتیت نہ ہو سکے گا قبلہ عبادت حکومت یعنی باللیت ہی رہیگا اور ظاہر ہے کہ یہی فرق امتداد و غلط ہے جو ایک تجلی گاہ کو دوسری تجلی گاہ سے ہونا چاہیے دو حکم ضرورت میں اگر آئینہ کو آفتاب سے انحراف ملے ہو یعنی پشت آئینہ مقابل آفتاب ہو تو اس وقت بھی انوار آفتاب تو اس میں منعکس ہو گئے ہوں اور آفتاب اس وقت منعکس نہیں ہو سکتا۔ عکس منعکس تو دوسری سے ظاہر ہو کہ مقابل یک سمت منعقد ہو اور انعکاس انوار پر یہ دلیل موجود ہے کہ اشکال اجسام متقابلہ آئینہ میں پشت منعکس معلوم ہونگے حقیقت میں اشکال انوار آفتاب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اور ایک عکس کے لئے نور شرط ہے غرض جس کا نور فریوہ اور ایک البصار ہوتا ہے اسی کے نور کی شکلیں آئینہ میں منعکس معلوم ہوتی ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ نور آفتاب غیر حجب اجسام کو محیط ہوتا ہے تو مثل قالب آئینہ ٹپکا ہوا اسوجہ انکی قطعیات کے موافق اشکال اسکے باطن میں ایسی طرح منتشر ہو جاتے ہیں جیسے مطابق شکل مقلوب قالب میں پہلے سے ہوتی ہے اور چونکہ محسوس ہی اشکال انوار ہوتے ہیں خود قطعیات اجسام نہیں ہوتے و نہ وصوت عدم انور بھی اشکال اجسام محسوس ہوا کرتی تو وقت انعکاس بھی ہی اشکال انوار محسوس ہونگی کیونکہ عکس آئینہ جات میں حقیقت میں انعکاس نظر ہوتا ہے انعکاس منظور نہیں ہوتا اور اگر انعکاس منظور ہوتا بھی یہی مطلب تھا کہ منعکس اشکال انوار میں اشکال اجسام نہیں کیونکہ منظور وہ اشکال انوار ہی ہوتی ہیں اشکال اجسام نہیں ہوتے بلکہ اس صورت میں بالیقین انعکاس صادر ہوگا اور انعکاس مصدر ہوگا سو سیطرہ تجلی اول اوصاف اول کا قیام ہو تو کیا حرج ہو یعنی ایک تجلی گاہ تو ظہر تجلی اول اوصاف اول دونوں ہوا اور ایک تجلی گاہ غلط غایت گاہ صادر اول ہو ظہر منظور تجلی اول نہ ہو بلکہ مثال مذکور کے مطابق بہ نظر کیے تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ تجلی گاہ تجلی اول کو بحیثیت انعکاس صادر اول بھی تجلی گاہ صادر اول پر فوقیت ہوگی کیونکہ یہاں تو عکس تلم ہوگا اور جو فقط تجلی گاہ صادر اول ہوگا اس میں عکس تلم نہ ہوگا بلکہ جیسے وصوت انحراف آئینہ میں عکس آفتاب تو کیا ہوتا عکس انوار آفتاب بھی پورا نہیں ہوتا جیسے ہی تجلی گاہ صادر اول میں عکس تجلی اول تو کیا ہوتا صادر اول کا عکس بھی پورا ہوگا۔ ان تجلی گاہ تجلی اول میں باہر نظر کہ مقابل صحیح اور محاذات نامہ موجود ہے عکس تجلی اول تو پورا ہی ہوگا۔ عکس صادر اول بھی پورا ہوگا۔ اور کیونکہ آئینہ میں وقت مقابل صحیح اور محاذات نامہ فقط پورا پورا عکس آفتاب عکس آفتاب ہی نہیں ہوتا عکس انوار آفتاب بھی بتماہما موجود ہوتا ہے کیونکہ جب مبداء انوار بتماہما منعکس ہوا تو شروع کی طرف سے سارے ہی انوار منعکس ہو گئے گواہا کی طرف سے بعض شعاعیں نامتلم منعکس ہوں اور ظاہر ہے کہ انوار آفتاب کے پورے پورے منعکس ہو چکیں وجہ یہی ہے کہ وہ تجلی گاہ مبداء انوار یعنی شکل آفتاب ہی سو یہی وجہ یہاں موجود ہے الغرض مرتبہ حکومت والکوت اسی صادر اول بھی جسکے ساتھ نفوذ ضرر کا تعلق ہے تجلی گاہ مرتبہ مجبوتیت یعنی تجلی اول میں نسبت تجلی گاہ صادر اول زیادہ تر نمایاں ہوگا اور اسلئے اس تجلی گاہ سے قطعاً نہیں عبادت کو تعلق نہ ہوگا جو خاص مرتبہ مجبوتیت متعلق میں وہ عبادت بھی بصد اعلیٰ اس سے متعلق رہینگے جو خاص مرتبہ حکومت سے مربوط ہیں البتہ ظہر حکومت کو تجلی گاہ صادر اول سے ایسا ہی ایک خاص اختصاص ہوگا جیسا تجلی گاہ تجلی اول کو ظہر مجبوتیت سے ایک خاص خصوصیت ہے مگر دنیا میں تو یہہ اختصاص یوں نمایاں ہوگا کہ تجلی گاہ تجلی اول سے ارکان جمیع مخصوص کئے جائیں جسکا حاصل یہ ہو کہ وہ دار المجبوتیت ہی اور تجلی گاہ صادر اول سے یہ خصوصیت ہو کہ سلطنت دینی دہان قائم کیجائے اور ظہر شوکت دین اسجگہ سے ہو جسکا خلاصہ یہ ہوگا کہ وہ سلطنت

اور دار الخلافہ بادشاہان دین حق مقرر کیجئے اور آخرت میں یہ صورت ہو کہ مرجع حکومت خیر و شر تو تجلی گاہ صا و اول ہو اور
خلاص سے مکان حج کے بجائے انیسواں کشتی سے محفوظ رہیں۔ غرض یہ ہو کہ مرتبہ محبوبیت نیاز ماسے محبت کا خود نگار ہو اور
مرتبہ حکومت آداب عیت کا طلب گار ارکان حج عمرہ اور تمیز اور زمین پر سجدہ کرنے میں اول ہو اور افعال نماز میں ثانی چنانچہ خالق تعلق
نے دوسرے یا پریشطر آگاہی مکان حج و افعال نماز یہ بات مخفی نہ رہی مگر یہ صبا و باد تجلی گاہ مرتبہ تجلی اول استحقاق تعلق ارکان
حج میں تو وحدہ لا شریک ہو گا۔ اور استحقاق تعلق افعال نماز میں گو تجلی گاہ صا و اول بھی اسکا شریک ہو گا پر شریک غالب ہی تجلی گاہ
تجلی اول رہے گا جب یہ بات واضح ہو گئی کہ تجلی گاہ تجلی اول تجلی گاہ صا و اول سے بہر طور مرتبہ میں زیادہ ہو تو اور ایک بات بھی سن لیجیے
جس سے تفاوت مراتب یا بھی زیادہ روشن ہو جائے اور ہر ایک کی پہچان کے لئے بشرط انصاف ایک عمدہ علامت ہاتھ آتا ہے وہ یہ ہے
کہ جس سلیم اس بات پر بھی شاہد ہوتی ہے کہ تجلی گاہ تجلی اول تو وسط بعد مجر و اد میں عالم ہو گا اور تجلی گاہ صا و اول اس سے چالیس سال
کے فاصلہ پر شمال کی جانب ہو تو زیبا ہو علی بن القیاس لاندہ لین ہے کہ تجلی گاہ تجلی اول تعمیر میں سب تعمیرات سے قبل ہو اور تجلی گاہ
صا و اول اس سے چالیس سال بعد بنایا گیا ہو۔ اور وقت برابری عالم یہ بھی ضرور ہے کہ تجلی گاہ تجلی اول سب میں پہلے دیلان
اسکے بعد اجسام اور اجرام اور کمالات دیلان کے جائیں سو ان سب باتوں کے لحاظ کے بعد میں تو کچھ شک نہیں کہ تجلی گاہ
اول تو خدا کو عبادت ہو اور تجلی گاہ صا و اول بیت المقدس ہے چونکہ عامل اس تعمیر کا یہ ہے کہ امور مذکورہ تفصیل دار خانہ کعبہ اور بیت المقدس
میں پائے جاتے ہیں اور پھر ہر ایک کے خاص تفاوت مرتبہ کے پر شاہد اسکے علامات ہیں اسلئے یہ بھی بیان کرنا
ضرور ہے کہ امور مذکورہ تفصیل وار دونوں مقاموں میں پائے جاتے ہیں اور پھر جن امور کی علامت اور شاہد ہونے میں
کچھ تامل ہو اسکا وضع کر دینا بھی لازم ہے اسلئے اول ایک تمہید معروض ہے اسکے بعد مضمون مذکور عرض کیا جاوے گا
سنئے اپنے زمانہ اور زمانہ آئندہ کے واقعات کے مشاہدہ کی تواسید ہوتی ہے پر زمانہ گذشتہ کے قائل کے مشاہدہ کی
امید نہیں ہوتی اسلئے انکے اطلاع کی بجز اسکے اور کچھ صورت نہیں کہ مشاہدہ والوں سے سنئے مگر چونکہ روایت بہر
الطینان اسوقت مقصور ہے کہ راوی راستہ ہوں اور اسباب غلط فہمی مرتفع ہو جائیں اس میں تو ارتیک پہنچ گئی تو اول
درجہ کا الطینان ہو گا ورنہ صورت ثبوت رہتباری و ہوشیاری و فہم راویان روایت بھی الطینان بقدر ضرورت ضرور
ہو گا لیے روایات کا انکار اگر ہو گا تو بوجہ نا انصافی ہو گا۔ مگر تو ارتیک تو یہ صورت ہے کہ کثرت روایت کی۔ نوبت پہنچی کہ
سب کا جو ٹھہرنا اور غلط سمجھ جانا عقل کو باور نہ ہو۔ مثلاً۔ کلکتہ۔ لندن۔ بمبئی۔ بندر۔ مکہ۔ مدینہ۔ بیت المقدس
وغیرہ مشاہیر شہر و نکادے زمین پر ہونا۔ پامسری۔ راجپوت۔ سری کرشن۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ سابق میں پیدا ہونا ایسا نہیں کہ کوئی عامل اس میں متامل ہو سکے جسکی
بجز اسکے اور کیا ہو کہ ان واقعات کے بیان کرنے والے اس کثرت سے ہیں کہ ان سب کا مدعی ہر متفق ہو جائے پس بیان
میں غلطی کرنا محض کسے نزدیک بحال حاوی ہے اسلئے یہ بھی ضرور ہے کہ اگر کوئی واقعہ بیت و نکادہ ہو اسکی تصدیق ہو

ہر قرن میں اس قسم کی توانی ضرورت ہی فقط ایک طبقہ کا تواتر کافی نہ ہوگا اس لئے قرآن کا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ثبوت کامل ہوگا۔ اور انجیل اور تورات اور بید کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوحنا تک ثبوت کامل نہ ہوگا۔ کیونکہ قرآن کی روایت تو ہر قرن میں متواتر رہی ہو اور یہی وجہ ہو کہ آج تک اسکے الفاظ اور عبارات میں اختلاف نہیں ہوا اور تورات و انجیل اور بید میں یہ بات مفقود ہو چنانچہ کتب مذکورہ کا اختلاف نسخ اس پر شاید ہو علاوہ برین کتب مذکورہ کی سند اور تک نہیں ملتی اور اسوجہ سے یہ کہنا لازم ہو کہ کتب مذکورہ درجہ روایت میں کتب احادیث اہل اسلام کی برابر بھی نہیں بلکہ غرض سے دیکھیے تو اہل اسلام کی تدریج قدیمہ کے بھی ہم پلہ نہیں کیونکہ اہل اسلام کی توارخ میں ہر واقعہ مختصر کو بھی جدی جدی سند سے بیان کرتے ہیں اور کتب مذکورہ کے ایک حلقہ کی بھی سند متصل نہیں ملتی بلکہ انصاف سے دیکھیے تو یہ بھی پتا نہیں کہ کس عہد میں یہ کتب تصنیف ہوئی ہیں چہ جائیکہ سن و سال اور پھر تفسیر کتب ہنود میں یہ اور طور ہو کہ وہ واقعات مذکورہ کو لاکھوں برس کا قصہ بتاتے ہیں اس صورت میں جب یہ دیکھا جائے کہ اتنا زمانہ اور سند گزارا اور اصل ہند کو تاریخ نویسی کی طرف نہ کبھی توجہ ہوئی نہ کبھی خواہ تمیز روایات صحیحہ و سقیمہ سے انکوار کا ہی ہوئی اور مہذا اہل اسلام اور یہود و نصاریٰ جنکی تاریخ نویسی پر انکی تحقیقات مشابہ ہیں بالخصوص اہل اسلام جنہوں نے ضبط قواعد تمیز روایات میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اس بات میں انکے مخالف علاوہ برین سترش آفتاب وغیرہ شریکات اور سہری گردن گردان باہر سے غلابہ رامچندر وغیرہ شعریات جنکے بطلان پر خود وہ مضامین پسے طرح مشابہ ہیں جیسے آفتاب کی روشنی پر خود آفتاب تو بھری عاقل کو اسکی گنجائش نہیں رہی کہ ہنود کے بیان پر کان بھی نہ کھے چہ جائیکہ تسلیم قبول اور اہل اسلام کی بات میں متامل ہو چہ جائیکہ دو انکار۔ القصہ نہ سابق کے واقعات کی روایات اگر قابل قبول تو اہل اسلام کی روایات قابل قبول ہیں بلکہ وجہ القبول۔ جیسے اور انکی روایات لائق انکار بلکہ واجب الانکار ہیں۔ دوسری بات لائق گنارش یہ ہو کہ اگر کوئی شخص کوئی بات کہے یا کوئی دعویٰ کرے اور پھر اس بات کے مناسبات اور اس دعویٰ کے شواہد اور توثیقات یا تمایزات تو اگر اس بات کے اثبات کے سامان ضروری اور اس دعویٰ کی وجہ ثبوت لاپدی کے باعث یقین ہوا ہوگا تو اب اطمینان ہو جائیگا مثلاً اگر کوئی معتبر شخص یہ کہے کہ فلان شخص بادشاہ ہو گیا اور اس خبر کی تحقیق اور تصدیق کے لئے روایان معتبر کے حوالے سے تو موافق قواعد تحقیق اخبار اس صورت میں اس روایت کی تصدیق لازم ہوگی مگر اسکے ساتھ اگر کتنے حوالے اپنی آنکھوں سے یہ بھی دیکھ لیں کہ شخص مشارالہ تخت سلطنت پر جلوہ آنا ہی اور جب وہ بہت اہم و شاندار دست تار پہنچے اپنے عزیز سے کھڑے ہیں جس طرف کو اشارہ کرتا ہو یہ کوئی بسوچیم آمادہ تعمیل نظر نہ آتا ہو جبکہ کو جاتا ہو امر نامہ دار اور شکر جلد اردلی میں چلتے ہیں غرض ہر قسم کے سامان سلطنت فراہم ہیں تو وہ یقین سابق ہوتے اطمینان تک پہنچ جائیگا یہ مہذوبات اگر قریب اور وہ مضمون دعویٰ بلند اور اہم شخص اظہار علوم اور فنون سے متاثر نہ ہوتا اس صورت میں تو اسکے اعجاز اور کرامت علمی میں کچھ نال نہ ہوگا اور اسوجہ سے اسکی اور محفوظات اور دعویٰ کی تصدیق کے لئے یہ ایک بات کافی ہوگی اس قصید کے بعد یہ کہہ ہو کہ اجزاء عالم اجرام میں سے کسی کا اہل بننا اور کسی کے بعد منجملہ واقعات گذشتہ ہو اگر روایت معتبر ہو یہ بات ثابت ہو جائے

زمین یا آسمان اور زمین سے بھی فلان مکان اول بنا ہو تو بشر فرما ہی جملہ سامان اعتبار و ارتقاء جلا و اتمام اہل انصاف
 کے ذمہ اس بات کا لازم ہوگا اور پھر اس کے ساتھ اگر شاہد خارجی بھی آپ شاہد ہوں اور دلائل و ضحیٰ اس کے توحید ہوں تو پھر وہ یقین
 عالمینان تک پہنچ جائیگا مگر چونکہ تنفیج روایات میں اہل اسلام کا تمام مذاہب میں نہ ہوا ہے اس پر قرآن کی روایت متواتر قرآن
 میں لکھوں ہزاروں حافظ برابر چلے آئے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مثل آفتاب نیم فوٹوٹن اس لئے
 احتمال ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے یہ قرآن اور یہ حکایات بنا کر کھڑے کر دیے ہیں اور یہ وہم ہو سکتا ہے
 کہ رومیوں نے غلط کہہ دیا ہو یا غلطی کھائی ہو اس لئے قرآن شریف کی آیات توالد و صبرین واجب التسلیم ہو گئی اور احادیث اہل اسلام
 کی روایات ہم درجہ میں مگر قرآن میں دیکھا تو یہ نکلا کہ زمین اول بنی ہو اس کے بعد آسمان اور پھر زمین میں بھی اول تعمیر خانہ کعبہ ہے
 مضمون اول برپا آیت ہوالذی خلق لکم فی الارض حیثا تم ستوی الی السماء فسوین سبع سموات وہو جل شہی عظیم اور آیت علی بن غفر
 انکفر من الذی خلق الارض فی یومین وتجلون لہ اذ اذ لک رب العالمین وجعل فیہا داری من فوقہا وبارک فیہا وقد فرما
 اتوا تہا فی اربعۃ ایام سورہ الساتین ثم استوی الی السماء وہی دخان فقال لہا وللارض اتیا طوعا وکرا قالتا اتینا طاعتین
 فقضین سبع سموات فی یومین وادھی فی کل سماء امرام وادھی السمار الدنیا بصاویج وحقا دیک تقدیر الغریز العظیم اور خانہ کعبہ کی
 ویرانی عالم ہی قیام کے وقت ویرانی میں اول رہنمائی آیت جعل اللہ للعبۃ البیت الحرام قیام للناس الشہر الحرام والہدی والاعظا
 ذلک لتعلمون اللہ عظیم مافی السموات وافی الارض وان اللہ کل شہی عظیم دلالت کرتی ہے وجہ دلالت کی یہ ہے کہ اگر لفظ قیام اللہ
 کو بغور دیکھا جائے اور کچھ تکلف نہ کیا جائے تو یہی مطلب نکلتا ہے کہ خانہ کعبہ سامان قیام جملہ بنی آدم کی چونکہ لفظ قیام مقید بقید
 فی العرب وغیرہ نہیں اور لفظ للناس اصل میں سب کو عالم ہے اور وجہ تخصیص پس رویش میں کوئی باقی نہیں جاتی پھر یہ کہ قیام
 سے قیام فی العرب مراد ہے اور للناس سے فقط اہل عرب مقصود ہیں اور مطلب یہ ہے کہ عرب میں بوجہ کثرت خونریزی اور شہر خیزی
 قیام دشوار تھا اور سامان قیام مثل تجارت وغیرہ ضروریات کی دان کوئی صورت نہ تھی البتہ ایام حج میں وائران کعبہ کو لیا عظمت
 کعبہ کوئی کچھ کہتا تھا اس بیان سے سب کے کام چل جاتے تھے اور بایران نکل جاتے تھے خالی تکلف سے نہیں بان اگر یوں کہیے
 جب تک یہ مقام ہے جیسا کہ بنی آدم کا بھی اس عالم میں قیام ہے جس قدر وہ ویران ہو تو ان کا قیام بھی معلوم پھر سارے کارخانے
 جسامانی کو ویران سمجھ کر کیوں بلالت آیت خلق لکم مافی الارض حیثا تم ستوی الی السماء فسوین سبع سموات یہ بات حیان ہو کہ
 زمین و آسمان سب بنی آدم کے لیے ہیں جب وہی ہونگے تو زمین و آسمان کا ہیکور بیٹھے گھاس دانہ گھوڑوں ہی تک رہتا ہے
 نہیں رہتے تو اسے کون کہتا ہے تو نہ تکلف کی ضرورت ہوتی ہے نہ تخصیص کی نوبت آتی ہے اب یہی بیبت کہ خانہ کعبہ آبادی
 اور ویرانی میں اول ہوا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ خلی گاہ مرتبہ عبودیت اور ظہر مرتبہ اہل عبودیت ہے سورہ ہود سے ذمہ ہے شیئ
 مالا خلافتہ لکرا ہوا کیا جاتا ہے تو اول مکانات شاہی کے لئے کوئی جگہ تجویز ہوتی ہے اور انکی بنا ڈالی جاتی ہے اس کے بعد خدا و اسرار
 اشکار و پیشوں کے مکانات کی تعمیر تجویز ہوتی ہے اور جب وہاں خلافتہ کی وجہ سے حکم شاہی ویران کیا جاتا ہے تو اول بادشاہ

زمین پر تیار کر امین اور اس طرف کو عبادت کر امین جب یہ طلب زمین خلیق ہو چکے تو اسی نے عبادت اہل اسلام میں یہ بات
 صریح ہو کہ خانہ کعبہ اور بیت المقدس کی تعمیر میں چالیس برس کا فساد کا دورہ بھی بعض روایات میں ہے کہ اول سے زمین پر
 کے کعبہ اور بیت المقدس کو بنایا تھا مگر طوفان نوح میں وہ دونوں تعمیر تباہ ہو گئیں اور بعض روایات میں ہے کہ اول
 پانی تھا پھر اس جگہ سے جہان اب کعبہ ہو گیا اس آٹھا ارض میں کی پیدائش شروع ہوئی ان روایات کے ملاحظہ سے آشکارا ہو کہ
 تجلی گاہ تجلی اول ہر طرح سے اول جو زمین کا کلا بھی اول وہی بنا جہان کعبہ شریف ہو اور تعمیر بھی اول اسی کی ہوئی اور
 دیران بھی اول وہی ہو گا مگر یہ اولیت تعمیر اور وہ تفاوت چوبیس سالہ اسی تعمیر کے اعتبار سے ہے جو فرشتوں کے مانعوں سے ہوئی تھی
 باعتبار تعمیر اور بھی نہ وہ اولیت ہے اور نہ یہ تفاوت ہے چنانچہ ظاہر ہے یہ تعمیر اس تعمیر کے ساتھ وہی نسبت کہتی ہے جو تخت
 اول کو جو نیچے سے اوپر پہنچایا گیا ہو تخت ثانی کے ساتھ ہوتی ہے جو اس کے محاذات میں نیچے رکھا جائے کیونکہ تعمیر اول اور تعمیر
 اول بھی میں بشہادت روایات وہی محاذات ہی باجملہ امور مذکورہ میں سے جو باتیں منجملہ وقائع زمانہ ماضی میں وہ سب بروایت
 اہل اسلام و بحوالہ پیغمبر اسلام علیہ السلام ثابت ہیں اور جو باتیں از قسم وقائع گذشتہ نہیں جیسے بیت المقدس کا جانب شمال ہونا
 اور چالیس منزل کے فاصلہ پر اسکا ہونا اور انکھون معلوم اور نقشون اور خرافیوں سے ثابت پھر امور مذکورہ میں سے اولیت تعمیر
 اولیت تخریب کا شاید ہونا بھی شہادت عقل معقول ہے البتہ سورہ بقرہ کا شاید ہونا منجملہ تامل ہے اس لئے یہ گزارش ہے کہ مرتبہ ملکیت
 اور حکومت کے ساتھ ایک نفع خلاق مقصود ہے یعنی احسان متعلق ہے اور ایک ضرر خلاق یعنی نقصان اس کے ساتھ متعلق رکھتا ہے مگر اگر
 اول محبت ہے اور تاثیر ثانی خوف چنانچہ ظاہر ہے اس صورت میں حکومت اور محبوبیت میں اگر تعادل ہو گا تو باعتبار ثانی ہی ہو گا باعتبار
 اول ہو گا کیونکہ اول میں تو مرتبہ اول بھی شریک ہے بلکہ شریک غالب اور کیوں نہ ہو علاوہ جمال و کمال کے جو عمدہ موجبات محبت ہیں
 بین احسان بھی اصل میں اس کا کام ہے وہی مصدر وجود ہے جو اصل میں مجموعہ فہام و اکرام ہے اور اس وجہ سے مگر یوں کہیے کہ
 قربت نامہ بھی نسبت مخلوقات اس کو حاصل ہے تو عقل سلیم سے دور نہیں کیونکہ اس صورت میں وجود مخلوقات کو حسب اشارہ
 تمثیل آفتاب و نور آفتاب جو مگر گذر چکی ہے تجلی اول یعنی مرتبہ محبوبیت اور اول مرتبہ معبودیت کے ساتھ وہی نسبت ہوگی جو محبوب
 کو آفتاب کے ساتھ یعنی جیسے محبوب پر نور شمع آفتاب اور شمع آفتاب پر نور آفتاب پر نور آفتاب پر نور آفتاب پر نور آفتاب
 یعنی مرتبہ حکومت اور مرتبہ ثانی مرتبہ معبودیت اور وہ مرتبہ محبوبیت اس لئے جیسے عقل و حسیہ کا عقل شمع آفتاب پر موقوف ہے
 اور عقل شمع آفتاب پر ہے ہی عقل وجود مخلوقات عقل صادر اول یعنی عقل مرتبہ حکومت پر اور عقل صادر اول عقل تجلی اول
 یعنی اسی مرتبہ محبوبیت کے عقل پر موقوف ہو گا اور اس لئے خود موجودات کو اول تصور مصدر وجود ہو گیا تب کہ میں اپنا تصور ہو گا غرض
 اس حرکت علی میں اول اس مصدر وجود کا تصور ہو گیا اسکے بعد اپنا تصور ہو گا اور ظاہر ہے کہ حرکات میں جہاں آتا ہے وہی قریب ہوتا ہے
 اس صورت میں مخلوقات سے اول انکی ذات کو وہ قریب ہو گا جو اس مصدر وجود کو جو گا اور یہی ظاہر ہے کہ علم میں اخبار ہونا جو انشا نہیں
 ہوتا اس لئے قریب علی قریب ماضی اور قریب حقیقی ہو گا غرض قریب بھی مثل احسان اصل میں اسی تجلی اول کے لئے ہے جو وہ جمال کمال

بھی ایسے لے اور اس تقریر پر چند نقصان بھی مل میں اسی کی طرف منسوب ہوگا مگر چونکہ تکلیف محبوب بھی لذت دہنی ہے چنانچہ مولانا دہنویوں فرماتے ہیں سہ نالو این ست نوبت چمن بود و مانند این ست سورت چون بودہ اور مرزا غالب یوں کہتے ہیں سہ اندر مل خاکس از کافا تل سے کہتا تھا خوش ناز کر خون دو عالم میری گردن پرہ تو خوف جو منجملہ موجبات اطاعت ہے اس تکلیف کے اندیشہ پر مبنی ہوگا۔ لیکن اگر موجبات محبت نظر سلج سے نکلی رہیں اور پھر اندیشہ پیدا ہو تو البتہ امید وحدت خوف ہی سو ہی خوف بنا۔ حکومت ہو تو بغرض وجبات اطاعت یا موجبات خوف ہیں یا موجبات محبت موجبات خوف تو یکے سبب اسباب حکومت ہیں اور سبب محبت یکے سبب سبب محبت مگر وہ سامان یوں تو بانیج ہیں جمال کمال احسان قربت اطاعت پر خدا سے کیسی اطاعت نہ ہو البتہ وہ پہلے چار باتیں بوجہ انہیں جو جہد میں ایسے محبوبیت مل میں ایسے لے ہے اور سوا اسکا اور سب اس کے دیدار اور اسی کے دست نگر میں ان چار باتوں میں جمیع وجبات کیسے نصیب ہوئی وہ سب ایسی ان چار باتوں کا بدوہ اور اسکی نقل ہے ہر حال وہ وجوہ محبت یکے سبب بطور فکری حصہ تخیلی لول ہیں البتہ وجوہ خوف حصہ حکومت یعنی صلہ اول ہے اور ظاہر ہے کہ محبت خوف باوجود تعادل باہمی ہنسکدیکہ گز نہیں بلکہ محبت استحقاق اطاعت میں اشرف اور اقویٰ ہے اور باہمی خوف مطلق محبت مطاع نہیں جو فوقیت و تحتیت مرتبہ پیدا ہو اور اسکا تناسب تدعی فوقیت و تحتیت مکانی ہوا جہد یہ ہے کہ خوف پیش آنے تو محبت و شوق نہ ہو اگرے اور محبت و شوق ہو تو خوف نہ ہو اگرے یہ ہوتی ہے چونکہ موجبات خوف و شوق ایک شخص میں مجتمع ہو سکیں مگر کون نہیں جانتا کہ خدا تو خدا ہے مخلوقات میں بھی بعض بعض افراد جامع جمال و جلال ہوتے ہیں اور ایسے خوف و شوق دونوں سبب اوقات مجتمع ہو جاتے ہیں اور کون نہیں جانتا کہ جب موجبات محبت خوف و شوق ایک شخص یعنی مطاع میں مجتمع ہو جاتے ہیں تو اگر خوف و شوق ایک شخص میں مجتمع ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے یا کچھ توجہ مرتبہ محبوبیت مرتبہ حکومت سے انحراف کا باعث نہیں جو مستقبل و استدبا توجہ مناسب ہو ہنگام نسبت تمام خلعت مکانی ہو اسلئے ایک کا شوق میں ہونا اور دوسرے کا خوف میں ہونا لازم آئے لیکن اگر صلہ اول لایم فلت تخیلی اول نہ ہوتا تو یہ بھی جمال تھا لیکن اسکو کیا کہے کہ یا ہم تلازم ذاتی ہے اور سب جانتے ہیں کہ لازم ذاتی میں مضایج میں دونوں متعامل ہیں اپنے ملزوم کے ساتھ رہتا ہے غرض یہ ممکن نہیں کہ ملزوم کی طرف توجہ ہو اور لازم کی طرف توجہ ہو چہ جائیکہ استدبا یعنی انحراف اس سے لازم ہو مگر خوف و محبت میں نہ باعتبار مرتبہ فوقیت و تحتیت ہے اور نہ باعتبار توجہ استقبال اور استدبا بلکہ باین خیال کہ جسے دعا تھا ایک دن کے ساتھ مطلق ہوتے ہیں اور پھر اقویٰ اور اشرف کو ہیں اور اضعف اور ادنیٰ کو یا کہتے ہیں یہی ہی سہی محبت خوف مل میں ایک ذات کے ساتھ متعلق ہیں اور پھر محبت دیباہ استحقاق عبادت و اطاعت خوف سے اشرف اور اقویٰ ہے اسلئے محبت خوف میں نہایت ہوگی جو ہمیں دیباہ میں یعنی راست و چپ میں ہوتی ہے اور اسوجہ یہ مناسب ہوگا کہ نظر محبوبیت جانب راست بنایا جائے اور نظر حکومت جانب چپ تعمیر کیا جائے اب یہ بات باقی رہی کہ زمین کر دی آسمان کر دی بعد میں سب طرف سے غیرتناہی ایسے سبب جہت باری نظر آتی ہیں پھر فرق ہمیں دیباہ و قدام فوق و تحت کے کیا معنی اسلئے یہ گواہی ہے کہ واقعی یہ فرق جہات مذکورہ اصلی نہیں بلکہ کسی غیر حیز کے اعتبار سے یہ فرق پیدا ہوا کرتے ہیں سو صحیح فرق و تحت تو یہ ہمارے سو پائین اور مرجع ہمیں دیباہ و قدام و خلف آفتاب محبت

قوی تو داخل وجود انسانی ہیں اور احاطہ دلہاں مکان و موعای وغیرہ اشیا زمین سے لیکر آسمان تک سب کے سب خارج مگر نہیں
کلام نہیں کا اعضا و قوی داخلی ہوں یا اسباب و سامان خارجی تمام اسباب و رحمت ہیں اور ظاہر ہو کہ اس کا منت کہنے ہیں مگر جیسے ہیں
کلام نہیں ایسے ہی نہیں بھی کلام نہیں کہہ خالی نعمتیں خارجی نعمتوں سے مدد میں مقدم اور رتبہ میں اول اور کیوں ہوں خارجی
نعمتوں کا نسبت ہونا داخلی نعمتوں کے ہونے پر موقوف ہے کہ ان میں جاننا کہ زبان نہ ہو تو کھانا کیا منہ اور کان نہ ہو تو آواز میں کیا لذت و صحت
و عافیت نہ ہو اسباب عیش موجب آزار ہیں اور اطمینان خاطر نہ ہو تو سامان نشاط سب بیکار اور خارجی نعمتیں ہوں تو یوں نہیں کہہ سکتے کہ
داخلی نعمتیں بیکار ہیں اس لئے اگر نہیں تو بلا سے ان جیسے بیماری میں زوال صحت اور بھوک میں مثلاً تحلیل اجزاء اصلہ ہوتا ہے مگر وجہ قلت فیہ
ہست کی تکلیف اس میں بوجہ عدم سامان غرض و نوش یا عدم دواد وغیرہ نمار خارجی معلوم ہوتی ہے جیسے ہی اس اوقات کہ فہر نکو اسکے
مخالف نظر آتا ہے یا انہما گرد و صورت سلب نمار و داخلی تمام خارجی نعمتوں کی بیکاری لازم ہو اور صورت سلب اموال و اسباب خارجہ منافع
و تخلیک کثرت بیکار نہیں ہو جاتی اسی صورت میں نہیں آتی کہ زمین سے لیکر آسمان تک تمام عالم معدوم ہو جا اور ایک حساب
منافع داخلی ہی باقی رہ جائے اور اس سے اس کے تمام منافع داخلی بھی بیکار ہو جائیں تو زوال منافع و ظلیہ نسبت زوال منافع خارجی زیادہ
تر موجب تکلیف ہوگا اور اس وجہ سے اسکو رتبہ میں اول سمجھا جائیگا یا انہما اگر تمام نمار خارجی کو ایک طرف رکھیں اور تمام نمار داخلی کو ایک
طرف تو بالبدلتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ داخلی وجہ کی نعمت داخلی کے مقابلہ میں تمام سامان خارجی ہیچ نظر آئے سچ جائیگا کہ کل سے مقابلہ
کیا جائے علاوہ برین داخلی نعمتیں تو نہ مول ہا تہ آئین نہ مستعار نہ کسی تاجر کی دکان پر ملین نہ کسی کاریگر سے ہن سکن اور خارجی نعمتوں کی
موصول کے بیسیویں سامان موجود یا نہ کیا یا ہونا اور ان کا دستیاب ہونا بھی انکی عظمت اور انکی حقارت پر شاہد ہے اور اسے بھی جانے دیجیے
اعضا و قوی تو سامان کمال و جمال انسانی ہیں اور خارجی نعمتوں میں یہ بات کہان ہی وجہ ہے کہ کسی بیشی اسباب دنیا اہل عقل کے
نزویک موجب کمی بیشی ضرور منزلت نہیں سمجھی جاتی اور یہ بھی پسند خاطر نہ آئے تو اور سینے قوت باصرہ قوت سامعہ وغیرہ قوی اور
صحت و مرض وغیرہ احوال کو خارجی نعمتوں کے ساتھ وہی نسبت ہے جو نور آفتاب کو زمین وغیرہ کے ساتھ ہے یعنی جیسے نور آفتاب
سبداً فعل ہے اور زمین مفعول بہ اور قابل۔ ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمایا جیسے اس صورت میں جیسے شکل زمین وغیرہ ہاں زمین
منطبع ہو جاتی ہے اور وہی شکل منطبع مفعول مطلق نور یعنی نور ہوتا ہے نہ زمین وغیرہ کیونکہ وہ تو مفعول بہ نور یعنی نور ہے ہر جس کا
حاصل بعد بحاظ اس ہر کے کہ مفعول بہ میں بار ہتھانت ہے یہ ہوگا کہ وہ آلہ مفعولیت ہے ایسے ہی یہ بھی ضرور ہے کہ ہاں قوی و
احوال مذکور میں اشکال نمار خارجی منطبع ہوں اور وہی مفعول مطلق یعنی مذوق و مسموع و مشموم و ملموس ہوں اور نمار
خارجیہ مفعول بہ یعنی مذوق بہ وغیرہ ہوں مگر یہ تو جیسے حقوق فاعلیت مثل طرح و ثنا و ثواب و عذاب و نمار و منافع افعال ہی
کی طرف لہجہ ہوتے ہیں قلم و شمشیر وغیرہ آلات فاعلیت سے انکو تعلق نہیں ہوتا ایسے ہی حقوق مفعولیت مثل حسن و قبح و جمال و فساد
و لذت و نفرت وغیرہ بھی مفعول ہی کی طرف لہجہ ہونگے آلات مفعولیت یعنی مفعول بہ سے انکو تعلق ہوگا مگر چونکہ مفعول مطلق یعنی وہ صورت
جہاں قوی مذکورہ میں مثلاً منطبع ہوتی ہیں اول قوی ہی کے ساتھ قائم ہیں اور ان قوی ہی کے حق میں بخلانہ سرشت

ہوتے ہیں اور انتزاعیات کا وجود ایسی طرح عین وجود میں آتا ہے جیسے حرکت کشتی نشین عین حرکت کشتی تو اون
 اشکال کی لذت وہ ان قوی ہی کی لذت ہوگی نہما خارجی کی لذت ہوگی غرض نما خارجی کی لذت و راحت و منفعت میں خود
 لذت نہیں اور اسلئے لذت کا نعمت ہونا نما خارجی ہی کا نمل و پرتو ہوتا ہوگا یا ان شاید کسی کو انتزاعی ہونے میں اشکال و صورت نہ
 کے کچھ نامل ہو اسلئے یہ گذارش ہے کہ شکل و صورت ایک احاطہ کا نام ہوتا ہے جسکے وسیلہ سے دخل احاطہ خارج احاطہ سے جدا ہو جائے
 چنانچہ مشابہہ دائرہ و مثلث وغیرہ اشکال ہی خود نمایان ہو البتہ نشانہ کی ہر نوع کا احاطہ جدا دخل جدا خارج جدا بصورت میں مثل جسم بعد
 سطح تفاوت ہوتا ہے لیکن سطح محیط ہوتا ہے اس سطح کو خط بصورت اور سموات اور شموات وغیرہ میں تفاوت کیون ہوگا مگر اب وجود
 مذکور اس امر میں تمام احاطی شریک یکدیگر ہیں کہ خود عدی ہوتے ہیں اور دخل یا خارج کے فیض سے موجود ہو کر درک ہوتے ہیں بطور
 نمونہ بھی دائرہ مثلث وغیرہ اشکال سطح اور کرہ مخروط وغیرہ اشکال جسم کو پیش کرنا ہوں دیکھ لیجئے خط مستقیم جو احاطہ دائرہ ہی اور
 سطح مستقیم جو احاطہ کرہ ہی ایک حد فاصل ہی جسکے لئے بشبہات مشابہہ اصل میں کچھ وجود نہیں کیونکہ یہ سطح اور سطح اور
 بعد اور بعد اور پھر اسکے ساتھ اندر کے سطح باہر کے سطح سے متصل اور اندر کا بعد باہر کے بعد کے ساتھ متصل سمجھیں نہ کوئی چیز
 حائل ہے نہ کچھ فاصلہ ہے اس صورت میں سطح اور خط کو اگر موجود کہیے تو پھر سمجھیں ہو کر حائل اور فاصل ہو دخل انداز اتصال کی طرح
 نہ ہوگی یا ان اگر یوں کہیے کہ سطح اور خط انتہائی بعد اور سطح میں اور انتہا ہر اس کا نام ہے کہ کوئی چیز آگے نہیں تو پھر یہ معنی ہوگی
 کہ سطح اور خط امور عین میں سے ہیں کیونکہ آگے نہ ہونا بھی اگر عدی نہ ہوگا تو پھر عدی کون ہوگا مگر ظاہر ہے کہ عدم قابل اور ان کے
 علم نہیں علم اور ان کے لیے وجود چاہو تو علم کس پر واقع ہوگا اور ان کے کس سے متعلق ہوگا اسلئے یہ بھی ضرور ہوگا کہ ان عدمیات اور
 معدومات اصل کے لئے کوئی وجود خارجی تجویز کیا جائے جو اشکال مذکورہ کے حق میں ایسا ہو جیسا زمین کے حق میں جو غرضی
 الاصل ہی نہ خارجی جو آفتاب قمر کی طرف سے عارض ہوتا ہے نہ کہ یہ علم اور ان کے دو اور مثلثات جو منجملہ بیہیات ہی سمجھ سکتے ہیں
 جیسے زمین کا منور ہونا بھی مگر نور بالائی ہی ایسے ہی مثلث و دائرہ وغیرہ کا موجود ہونا درست مگر وجود بالائی ہی اصل میں یہ
 اشکال اقسام موجودات میں سے نہیں رہی بسبت کہ وہ کون چیز ہی جسکا وجود اشکال مذکورہ پر عارض ہوتا ہے اسکے بیان کی عجز
 حاجت نہیں اشکال مذکورہ کو اگر ان کے دخل کے ساتھ قائم سمجھیں تب تو منقبض وجود اشکال سطح دخل ہوگی اور خارج کے ساتھ
 قائم خیال کیجئے تو منشا وجود سطح خارج ہوگی گو وہ بھی اپنے وجود میں بعد کی محتاج ہو اور بعد اپنے وجود میں متلاخذا کا محتاج ہو
 اسوجہ سے منقبض اصلی خداوند عالم ہو سو یہ ایسا قصہ ہے جیسے فرض کیجئے کہ زمین منقبض قمر ہو اور نور قمر منقبض آفتاب اسلئے نور
 اصل میں آفتاب ہی کا ہو غرض اس سے نسبت خط سطح کے منقبض وجود ہونے میں نامل نہیں ہو سکا اور کیونکہ یہ بیہیات میں بھی
 نامل ہو تو اطمینان کہے میں ہوگا مگر یہ ہی تو انتزاعی ہونے میں کی نامل رہ گیا انتزاعیات انہیں امور کو کہتے ہیں جو عدم ہو کر
 یعنی منشا انتزاع کے طفیل میں موجود ہو جائیں اور اسوجہ سے مدک ہونے لگیں اور جہاں سمیکی خود اس سے ظاہر ہے کہ
 در موجودات کے بیچ میں سے عقل نکال لیتی ہے یعنی اجہ معدومیت اصل ظاہر ان امور کا بتا نہیں ہوتا کیونکہ دونوں طرفین

اہم چہاں نظر آتی ہیں مگر فعل یا ایک میں دہن سے سرخ لگا اور مذکورہ کو باہر کھینچ لیتی ہے یا بھلا اشکال مثلاً لکھا ہوا ہے سرخ
 میں جہوت کو مفعول مطلق قوی نہ کہ قریب یا تو صحیح یا ناجائز اشکال کو ان قوی ہی کے ساتھ قائم رکھنا پڑیگا چنانچہ پہلے دفع
 ہو چکا ہے اور اسلئے ان اشکال کا وجود ان قوی ہی کا ظل ہے تو یہ ہوگا اور اسلئے اشکال مذکورہ کی تائیس اور کار پر دانی بالبدانتہ جو
 جسم و جویات جو وہ ہر ہر تاثیر و کار پر دانی قوی ہوگی جس سے یہ ثابت ہو جائیگا کہ تمام خارجیہ فقط بطاہر نعمت میں حصہ نہ
 اشکال کام بھی تمام داخلہ ہی کے ساتھ متعلق ہے اور اسلئے وہ اول درجہ میں ہیں اور اول ضرب کی نعمت میں اور تمام خارجیہ دوم درجہ میں
 ہیں اور دوم درجہ کی نعمت میں مگر یہ ہوگا تو اول کا عدم بھی اول درجہ کا ضرر اور نقصان ہوگا اور دوم کا عدم بھی دوم درجہ کا ضرر اور نقصان
 مگر چونکہ ضرر اور نقصان اس عدم کو کہنے میں جو کسی وجود کی طرف مضاف ہو جیسے عدم البصر مثلاً اسلئے اول وجود مضاف حیہ کا لحاظ کیا
 جائیگا اور اسلئے وہ نسبت عدم نہ کہ مرتبہ میں اول ہوگا اور نفع کو ضرر پر تقدم ہوگا اور کیوں نہ ہو اگر نقشہ انسانی میں پہلے سے بصر اور اشکال نفع
 تجویز نہ ہوتا تو پھر اگر نہ ہوتا اور سینگ کے ہونے میں کیا فرق تھا غرض وجود اس لحاظ سے اول ہے اسلئے بعد ضرر ہی یا خصوصاً حسی
 و اصطلاح عام کو نہ کہ عرف میں ان فصلان اور ضرر زوال نعمت یعنی عدم لاحق نعمت کا نام ہے مگر جیسے بحث اطاعت میں وجود کو عدم پر
 سبق ہے ایسے ہی باعتبار تاثیر نہ کہ اندیشہ زوال نعمت و ظلی امید نعمت خارجی پر تقدم ہے یعنی جبکہ اندیشہ و خوف زوال مذکور
 موجب طاعت و انقیاد ہے اسلئے امید تمام خارجی باعث طاعت و انقیاد نہیں ہوتی اسلئے باعتبار تاثیر طاعت و انقیاد نعمت
 اولی کو وجود نعمت ثانیہ پر فوق ہوگا جس کا حاصل یہ ہوگا کہ مضرت تمام داخلہ نعمت تمام خارجیہ سے بحث و انقیاد میں مقدم ہے اور
 اسلئے بعد ازاں اس بات کے کسی نعمت کا وجود اسلئے عدم پر تقدم ہے یہ اقرار کرنا پڑیگا کہ اول منافع داخلہ دوم مضار داخلہ سوم
 منافع خارجیہ چہاں مضار خارجیہ یا بھلا جیسے منافع دخلی منافع خارجی سے مقدم تھے ایسے ہی مضار دخلی مضار خارجی سے مقدم ہیں اور
 چونکہ منافع کا مضار سے مقدم ہونا ان میں سے بھی منافع دخلی کا منافع خارجی سے مقدم ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے تو بلحاظ تقدم و
 تاخر یہ ترتیب واجب التسليم ٹھہری کہ اول منافع دخلی پھر منافع خارجی پھر مضار دخلی پھر مضار خارجی مگر جب بلحاظ منافع اور ضرر کے
 تقسیم اور ترتیب ہے تو باعتبار نفع اور مضار کے بھی یہ تقسیم اور ترتیب واجب اللحاظ ہوگی اور اسلئے اول مرتبہ تکوین میں یہ چار قسمیں
 ظہین کی اور پھر مرتبہ قدرت میں اور پھر مرتبہ مادہ میں اس طرح اور تک ملے چلو کہ جب وجود تکوین قدرت پر موقوف ہو اور
 وجود قدرت مادہ پر موقوف ہو اسی ہذا القیاس اور تک ہی توقف نکلا تو جو کچھ نیچے کے مراتب میں ہوگا وہ لازم اور پری کا ظہور
 ہوگا اور اسلئے ہر مرتبہ میں مراتب موقوفہ میں سے یہ چار قسمیں علی الترتیب پیدا ہوگی باقی یہ شہد اگر ہو کہ بیان ایک کا تعلق دوسرے
 کے تعلق پر موقوف ہے موقوف کا توقف تحقق پر کیا نہ ہو بلکہ ایک کی تفصیل یہ ہے کہ ایک کے تعلق کا دوسرے کے تعلق پر موقوف ہونا تو
 ایک کا ثبوت ہے کہ ایک کا تحقق دوسرے کے تحقق پر موقوف ہے کہ چونکہ تحقق کے توقف کی یہ صورت ہے کہ باہم یہ نسبت ہو جو جسم و سطح میں
 اور شعاعوں اور حوہ میں یعنی جیسے بیان ایک دوسرے کی انتہا کا نام ہے ایسے ہی جہاں کہیں تحقق کا توقف ہو چاہیے اور
 ظاہر ہے کہ اس صورت میں دوسرے کا تعلق کسی چیز کے ساتھ اول کے تعلق پر موقوف ہوگا اگر جسم اور شعاع میں کسی جسم سے متصل

اہل خدات اور بنی فوقی مہات سو یہ بات بدون تبدیل و تغیر ممکن بالوقوع نہیں اسلئے بیت المقدس منظر خاصیت تغیر تبدیل ہو گا اور اس لئے اگر وہاں آبادی کی جاہلیرانی اور ویرانی کی جا آبادی ہوتی ہے تو وہاں عقل نہیں کیونکہ جس چیز میں خاصیت تغیر تبدیل ہوتی ہے مثلاً آتش وہ جہاں خود ہوتی ہے وہاں زیادہ تغیر تبدیل کا احتمال ہوتا ہے اور تاثیر محبوبیت یہ ہے کہ ہجوم خلایق اور ہجوم اجتماع ہوا اگر دیرانہ میں پیچیدہ جائے تو یہ عام و خاص پروردگار و بین جان قربان کر نیکیاں رہ جائیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خانہ کعبہ کے گرد اگر دایسا ملک کما جہاں مسلمان عیش و عشرت کو چراغ لیکر ڈھونڈھتے تو پتا نہ ملے تاکہ اس ہجوم خلایق سے جو ہر سال ہر موسم بیچ میں اس مقدس ہوتا ہے کہ عالم میں کسی میل اور ہنگامہ میں اتنا نہ ہو گا کہ کوئی یہ سمجھ جائے کہ وہی یہاں کوئی ایسا دلچلوہ گر ہے جسکے جمال عالم فریبا ایک عالم دیوانہ ہے یا بھلا یہ بہت اقلیم کے آدمیوں کی آمد جسیں خانہ کعبہ نام عالم کے مقامات متبرکہ اور شاید مقدس اور زیارت گاہ کہ مظلوم سے بالبدنسب یا لاتفاق ممتاز ہے اور پھر اس ملک کی خشکی اور کمی پیداوار شہر عقل کہہ میں اس بات پر شاید ہے کہ ہونہو یہاں جلوہ محبوب حقیقی ہے اور اسلئے احرام کی حالت کی یکفیت کہ نہ عمامہ نہ ٹوپی نہ موزہ نہ حجاب نہ سیاہو اکپڑ نہ خوشبو نہ مرد کو عورت سے مطلب نہ عورت کو مرد سے سروکار پھر ذکر لبیک کی نعرہ زنی اور پروانہ وار طواف کعبہ صفا و مردہ اور میدان عرفات صفا و لغی نعرہ وزاری اور منی کی قربانی جان نثاری اور حجلت ثلثہ کی سنگساری جس سے ناصح نادان کی طرف سنگباری یا داتی ہے اور سولہ اسکے ارکان جو پنج خواص عاشقان جان نثار ہوتے ہیں اول سے آخر تک چسپان نظر آتے ہیں علاوہ برین حکومت خداوندی بدلات و تغیرات گذشتہ منجملہ آثار محبوبیت ہے کیونکہ مرتبہ وجود جو صداد اقل اور مصداق اسم ملک اور حاکم ہے اس تجلی اول سے صلہ ہوا ہے جو بوجہ اجتماع جملہ محاسن مصداق اسم جمیل ہے اسلئے مرتبہ حکومت میں جو کچھ ہو گا وہ مرتبہ محبوبیت کا پرتو ہو گا اور باہم ایسا فرق ہو گا جیسا آفتاب زمین میں نظر آتا ہے یعنی آفتاب کے لوگ ریشہ زمین نور چاہا ہوا ہوتا ہے اور زمین کے اوپر اور گرد اور اسلئے زمین میں کبھی نور آتا ہے کبھی چلا جاتا ہے اور آفتاب میں برابر کیسیاں رہتا ہے مگر یہ ہے تو پھر برکات کا خانہ کعبہ سے جدا ہونا ممکن نہیں اور بیت المقدس سے منفصل ہو جائیں تو عجیب نہیں اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے جو نسبت خانہ کعبہ لفظ مبارک قرآن میں آیا اور نسبت بیت المقدس با کنا حوالہ قرآن میں فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جیسے لفظ مبارک میں نسبت صیغہ جو موصوف بالبرکت پر دلالت کرتی ہے اور مادہ موصوف بالبرکت پر دلالت کرتا ہے باہم ایسے مخلوط ہیں کہ جدا کر دینا تو جدا نہیں ہو سکتے ایسے ہی خانہ کعبہ سے اشکی برکات منفصل نہیں ہو سکتی اور جیسے لفظ بارکنا حوالہ میں دلالت لفظ حول اور نیز بانو جہ کہ دال علی البرکت یعنی لفظ بارکنا دال علی الموصوف بالبرکت یعنی ہاوی حوالہ میں فاصلہ موصوف بالبرکت اور موصوف برکت میں انفصال ہے ایسے ہی بیت المقدس کی برکات اس سے انفصال ذاتی نہیں کہتی جو جدا ہے نہ ہو سکیں مگر نسبت خانہ کعبہ کی برکات ممکن الانفصال نہیں اور بیت المقدس کی برکات ممکن الانفصال ہیں تو بیت المقدس کا یہ بنو کے ہاتھوں سے مسما ہونا اور خانہ کعبہ کا مسما نہ ہو سکا اور کاذب عقل نہیں مگر چونکہ یہ ارتباط برکات اس عکس مرتبہ محبوبیت کا نتیجہ ہے جسکے شائبہ ہم بوجہ اکل فراغت پا چکے ہیں تو اگر وہ تجلی مجربانہ جسکی تاثیر ہے ہو تبدیل بہ تجلی خضبان ہو جائے تو پھر کچھ محبت خوف اور ریاضت اجتماع و ہجوم تفرق اور افتراق لازم ہے چنانچہ ظاہر ہے

باقی بچے محبوبیت کی غنیمت کا ہونا اول تو یوں مستبعد نہیں کہ غضب اور انکسار کا ثمر ہوتا ہی اور اسلئے
بدون ظہور یا فرامانی اسلئے ظہور کی کوئی صورت نہیں اور محبوبیت کسی غیر کے کسی فعل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ ایک صفت اصلی اور ذاتی
ہوتی ہے مثل حکومت و غضب اور انکسار سے سرکار نہیں ہوتا اسلئے یقیناً کامل چاہیے کہ محبوبیت اول ہی اور غضب اسلئے بعد ہوگا
صفات انسانی ہونے صفات ربانی ہیں جیسے یہاں نوبت بہ نوبت ظہور ہوتا ہی اور ایک کے ظہور کے وقت اسکی صفات متضادہ کا اثر بھی نہیں
نہیں ہوتا ایسے ہی جناب باری کی صفات کو خیال فرمائیے اور کیوں نہ یہاں جو کچھ ہے دین کا پر وہ ہی سو جو کیفیت یہاں ہوگی وہ وہاں
اول ہوگی سو جیسے یہاں وقت محبت و عنایت غضب کا نام نشان نہیں ہوتا اور وقت غضب محبت کا پتہ نہیں لگتا ایسے ہی وقت ظہور محبوبیت
بوجہ محبت کی بھی اصل ہی غضب کا اثر نمایاں نہ ہوگا اور وقت ظہور غضب محبوبیت کا اثر نمایاں نہ ہوگا کیونکہ محبوبیت اور غضب میں باہم
تضاد ہی اور وجہ اسکی یہ ہے کہ محبت جو ضد خداوت ہے خود ایک سامان محبوبیت ہی ہے وجہ یہ کہ محبت اور اخلاق والوں سے محبت اخلاق
سے پیش آیا کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خدا کا جو وصف ہے علی الاطلاق ہی اور اسکا جو کمال ہے بدرجہ کمال ہی ورنہ کسی وجہ سے
اگر مقید اور کیسے سے اگر ناقص تصور کریں تو اس سے اوپر اور کسی میں اس وصف کو علی الاطلاق اور کامل ماننا بڑی کینہہ مقید
کے لئے وجود مطلق ضروری اور نہ ناقص کے لئے کامل کی ضرورت جسکے لحاظ سے اسکو کامل کہا دینا اور کوئی اگر کامل نہیں تو یہاں
بھی نہیں کاملے اور سنگڑے اور کٹے کا نقصان اگر معلوم ہوتا ہی تو وہ انکھون والوں اور پاؤں والوں اور دماغ والوں کے کمال کے
مقابل میں معلوم ہوتا ہی ورنہ اسکو نقصان کہنا غلط مگر یہ خدا اور کسی کمال اور وصف میں کوئی کمال تو پھر اسکو خدا کہنا چاہیے
وجہ اسکی یہ ہے کہ خدا کو خدا اسلئے کہتے ہیں کہ وہ بذات خود موجود ہوتا ہی کسی اور کے موجود کر نیکی حاجت نہیں بلکہ وہی اور کو موجود کرتا ہے
لیکن یہ بات نے اسلئے متصور نہیں کہ وہ اسلئے حق میں حائز اور اور وصف ذات اور لازم ذات ہو اور جب خود خاندہ اور لازم ذات ہوگا
تو کمال اور ہر صفت کمالی بدرجہ کمال ہوگا کیونکہ کمال ذات وجود کے حق میں لازم ذات میں ہی وجہ یہ کہ ہے وجود صاحب کمال اور کمال
وہ ہر کمال نہیں مگر یہ وجود کے حق میں تمام کمالات لازم ذات ہوتے تو لازم کمالات میں جن کا وجود مطلق نہیں مقید ہے وہ کمالات بھی مقید
ہوئے ہونگے سو اگر خدا میں بھی کمال محبوبیت مقید ہوگی الاطلاق اور بدرجہ کمال نہ تو یوں کہ وہ خدا نہیں ممکن ہی اور اسلئے اوپر کوئی اور
جہل میں خدا ہی اسلئے اسکی محبوبیت بھی بدرجہ کمال اور علی الاطلاق اور بوجہ اتم ہوگی اور بالضرور بوجہ محبت بھی وہ محبوب ہوگا اور
اسلئے محبت غضب کو جو مخالف آثار خداوت ہے اسکی محبوبیت کے ساتھ تضاد ہوگا اور یہ جو اقربا اور احباب کا غصہ اور انکسار اس فعل
کے مخالف نظر آتا ہی تو وہ بوجہ قلت تدبیر مخالف نظر آتا ہی احباب اقارب کا رنج اور غصہ اگر ہوتا ہی تو بوجہ نہ ہوتا ہی نہیں کسی
کہ کسی لئے اعتدالی کا نتیجہ ہوتا ہی اور ظاہر ہے کہ وہ بے اعتدالی اور چیز ہی اور قرابت اور دوستی اور چیز ہی در صورت اجتماع و محبت
وہ قرابت اور دوستی ہوگی اور موجب رنج و غضب بے اعتدالی اور بد اخالی سو جیسے قرابت اور محبت بذات خود محبوب ہیں ایسے ہی
بے اعتدالی اور بد اخالی بذات خود مبغوض ہیں صورت میں وہ رنج اور غصہ احباب سے نہیں ہوتا احد ہی سے ہوتا ہی کیونکہ ہر شخص
میں نہ اقربا اور احباب جمیع الوجہ محبوب ہوتے ہیں اور نہ جمیع الوجہ مبغوض ہوتے ہیں قرابت و محبت محبوب ہونے میں اور محبت

براۓ عالی اور ذلی اعتدالی مبنی موصوفہ غصہ حقیقت میں اقربا اور احباب پر نہیں ہوتا اعدا ہی پر ہوتا ہی باجملہ صفت غضب کو باوجود کہ وہ منجملہ آثار عداوت اور بغض ہی صفت محبوبیت کے ساتھ تضاد ہی اور حب تضاد ہوگا تو پھر باعتبار ظہور اجتماع ممکن نہیں بلکہ وقت ظہور غضب تب محبوبیت کا استدلالی طرح لازم ہے جیسے ایک جسم کی آئین دو سر جسم مستور ہو جاتا ہے اور ایک نگہ کے پردہ میں دو سر ازگت چھپ جاتا ہے سو جیسے کسی جسم کے آئینہ کے پیچ میں کوئی دوسرا جسم عاقل ہو جاتا ہے تو بجائے جسم اول جسم ثانی میں عکس ہو جاتا ہے اور جسم اول کا عکس مفقود ہو جاتا ہے ایسے ہی اگر تجلی محبوبیت اور آئینہ بعد مجروری یعنی خانہ کعبہ کے پیچ میں تجلی غضب جلال عاقل ہوگا تو تجلی اول کے عکس کے بدلے تجلی ثانی کا انعکاس لازم ہے اور در صورت میلالت یہ ہو کہ خدا کا جامع الکمال اتہم ہوتا تو مسلم اسلئے ضرور ہے کہ اگر وہ محبوب عالم ہی گو گنہگاروں کے حق میں غضبناک بھی ہو مگر اذکیالت کو دیکھا تو باعتبار ظہور آثار محبوبیت انکو تضاد نہیں بلکہ ایک طرح کا روم سے چنانچہ حکومت کا منجملہ لازم محبوبیت ہونا بدیہ ضرورت رضا جوئی پہلے ثابت ہو چکا اور سوا اسکے اور صفات کو چند محبوبیت بعد نہیں اگر تھا تو حکومت ہی کو بجا بعد تھا کیونکہ بوجہ فہر حکومت کو لازم ہے بغضیت کا احتمال ظاہر رہا ہے اور سوا اسکے اور صفات میں کوئی وجہ تضاد نہیں جو بعد ہو بلکہ سمع و بصر وجود و علم و حیا کا تناسب ظاہر ہے علی ہذا القیاس اور صفات کو سمجھ لیجیے مگر ہاں صفت غضب کا باعتبار ظہور آثار تضاد ہونا بھی ظاہر ہو چکا گو باعتبار اصل غضب جسکو بالقوہ کہتے صفت غضب بھی منجملہ مبادی اور سمتات جمال اور سامان محبوبیت ہی کیونکہ جمال کے لئے مرتبہ تجلی میں تمام کمالات کمونہ کا ظہور ضرور ہے اور جب غضب باعتبار ظہور آثار تضاد مخالف محبوبیت ہی تو پھر جیسے اجزاء آب و قوت حرکت تعالیٰ ہوتے ہیں خصوصاً آب حوض تالاب اور وہ بھی فوق و تحت کی حرکت کا وقت ایسے ہی صفات بنی آدم وغیرہم کو ہم دیکھتے ہیں کہ باعتبار ظہور آثار وہ بالا ہوتے رہتے ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ وقت غضب بخت اور حرکت کا پتا نہیں لگتا اور وقت محبت و محبت غضب عداوت کا نشان نہیں ملتا اسلئے یہ ضرور ہے کہ وقت ظہور آثار غضب محبوبیت مستور ہو جائے اور اس ستار کے باعث بجائے عکس محبوبیت عکس غضب جلال طوہر ہو کیونکہ مبادی حلقہ صفات ہی تجلی اول سے چنانچہ پہلے عرض کر چکا ہوں بالخصوص صفت غضب جو حسب تحریر بالا ضد محبوبیت ہی کیونکہ اوصاف تضاد محال و احد پر متوارد ہو کرتے ہیں اسلئے مبادی ظہور اور محل نمودن صفت غضب بھی وہ تجلی اول ہی ہوگی الغرض وقت ظہور آثار صفات تضاد آثار کا نہ وبالہذا لازم ہے اور جو جلال طوہر اسکی خانہ کعبہ میں ہاں سب کا انعکاس ضرور ہے مگر جیسے انعکاس محبوبیت کو بوجہ محبت جسکی طرف بھی اشارہ گذرا سا تھا اور جو تجلی عالم ضرورتی ایسے ہی انعکاس غضب کو دیرانی اور بربادی زمین و آسمان اور انسان و جن و حیوان ملاوہی سموت میں سب میں بوجہ اتصال و قرب خانہ کعبہ کے دیرانی چاہیے اسکے بعد اور عالم کی بربادی بقدر قرب علی لائق تیب مناسب ہے چنانچہ شاہدہ حال آتش سے جو منظر غضب و جلال ہی یہ بات عیان ہے کہ اشارہ قریبہ اور متصلہ اول طعنہ آتش ہوتی ہیں پھر چون چون آتش بھڑکتی جاتی ہے دونوں آتش اور اشارہ زیر تصرف آتش آتی جاتی ہیں باجملہ حیوت ظہور تجلی صفت غضب ہو وقت اس عالم کی حیرت نہیں اسلئے جیسے یہ خانہ پاک جسکو خانہ خدا کہتے ہیں خانہ کعبہ دقت ظہور آثار محبوبیت و محبت منظر اول تھا ایسے ہی وقت ظہور آثار غضب جلال بھی ہی منظر اول ہوگا اور اسلئے خانہ کعبہ کی دیرانی کو قیامت یعنی عالم کی دیرانی کی ابتدا سمجھیے اور کیوں نہیں

بادشاہی مکانات آبادی اور بریادی میں اور خیمہ حکام نصب اور قلع و قمع میں اور ان کے مکانات اور اون کے خیموں کی نسبت
 اول رہتے ہیں یعنی جب دار الخلافت آباد کیا جاتا ہے تو اول شاہی مکانات کے لئے زمین اور میدان تجویز کر کے تہیہ تعمیر کیا جاتا
 ہے اسکے بعد امر اعداء و خیر ہم شاگرد و پیشو کے مکانات کے نقشے چائے جاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس اگر دار الخلافت بعد تبدیل دار الخلافت
 یا کسی اور وجہ سے ویران ہوتا ہے تو اول بادشاہ اپنے مکانات کو ترک کرتے ہیں پھر ان کے سبب اور سب اپنے اپنے گھر و کو ترک کر کے چلے جاتے ہیں
 ایسے ہی وقت دور حکام جہاں کہیں ڈیرہ ہوتا ہے اول کہیں خیمہ حکام نصب کیا جاتا ہے اسکے بعد اسکے گرد و پیش میں اون کے خیمے اور پلہن
 قائم کجاتی ہیں اور پھر وقت و ناگلی اول خیمہ حکام نکھارا جاتا ہے اسکے بعد اور ان کے خیمے اکٹھے کر کے شروع ہو جاتے ہیں سو اس عالم جہاں میں خانہ کعبہ کو
 بننے مکان شاہی یا خیمہ شاہی خیال فرمائیے اور کیوں نہ ہو بجلی گاہ ربانی اور آئینہ جمال یزدانی ہو اسلئے بنائیں بھی اسکو اول کھار ویرانی عالم
 کس وقت بھی اسکو اول رکھیں گے چنانچہ آیت ان اول بیت وضع للناس للذی بکرتہ جسکا حاصل یہ ہے کہ سب میں پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا
 گیا ہے وہ ہے جو مکہ معظمہ میں ہے اسکی اولیت تعمیر و دلالت کرتی ہے اور اول اسلام کی اس روایت پر نظر کیجئے کہ پہلا مکان ہے کہ اول
 پانی تھا اور اس پانی ہی پر عرش کبریائی تھا پھر اس پانی میں سے اسجگہ سے جہاں پر اب خانہ کعبہ ہے ایک بلبلہ آٹھا جھاگ سے
 اٹھے اور وہیں سے زمین کی بنا شروع ہوئی تو اولیت خانہ کعبہ و مذہب متنجس ہے کیونکہ موافق اشارات قرآنی مثل خلق لکم فی الارض
 جمیعاً ثم استوی الی السما وفسوہن سبع سموات زمین جہاں خانہ کعبہ اور تمام نفلک سے پہلے پیدا ہوئی ہے گواہ اسکا پھیلاؤ آسمانوں کے بعد وقوع
 میں آیا ہو پھر جب زمین کا یہ ٹکڑا خاص جہاں خانہ کعبہ ہے زمین کے اجزاء میں بھی سب میں اول نکلا تو یوں کہ بعد عرش کے جو عالم سے کہ
 علم و چیز ہو کیونکہ وہ تخت ربانی ہے اور عالم بمنزلہ ملک رعیت یزدانی خانہ کعبہ کی جگہ سب میں اول ہوئی بہر حال ان اول بیت اور بیت
 مشار الیہا اور اشارات مذکورہ جسکا حاصل یہ ہے کہ سب میں پہلا گھر اور سب میں پہلی جگہ یہ ہے جہاں خانہ کعبہ ہے اولیت تعمیر خانہ کعبہ اور اولیت
 پیدایش قعبہ خانہ کعبہ پر دلالت کرتی ہے اور آیت جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس جسکا حاصل یہ ہے کہ یہ گھر لوگوں کے قیام کا باعث
 ہے اسکی اولیت ویرانی پر دلالت کرتی ہے اسلئے کہ حاصل اشارہ قرآنی یہ ہوا کہ جب تک یہ گھر قائم ہے لوگ بھی اس عالم میں قائم ہیں جس
 یہ گھر ویران ہوا اس روز عالم کو خراب اور ویران سمجھو الغرض اوجہ عکس تجلی مشار الیہ خانہ کعبہ کا آبادی اور بریادی دونوں میں اول بنا
 ضروری ہے اور چونکہ خانہ کعبہ نہایت گاہ چل تجلی ہے چنانچہ تحقیق متعلق عکس سے یہ بات اول بخوبی واضح ہو چکی ہے اور تجلی مذکور سے ابتدا
 معبود و رب کے تو اسکی طرف سجدہ عبادت بھی ہوتا ہے اور سوار اسکے اور ارکان عبادت بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ وہ تجلی
 اول مسمیٰ اسم جمیل اور مصداق محبوبیت ہے تو تمام انداز عاشقانہ یعنی ارکان حج اسکے ساتھ متعلق ہے اور چونکہ وہ تجلی مذکور اوجہ
 محبوبیت مرتبہ میں صادر اول یعنی وجود سے اول ہے تو آئینہ عکس محبوبیت اعنی خانہ کعبہ بھی نسبت آئینہ عکس حکومت یعنی بیت المقدس
 مرتبہ میں اول رہا اور اسلئے اسکے استقبال کی نوبت بعد میں آئی اور اسلئے حج بھی علی العموم جب ہی فرض ہوا شیخ اس محاکمی یہ ہے کہ
 دیوان علم کو چھری حکام تک توہر کسی کو سیاقی ممکن ہے اور دیوان خاص اور مجلس سرشاہی اور عیش کدہ و لذت خاص و علم تک ہر
 کسی کو پہنچنا نصیب نہیں ہوتا اور جسے یہ دن نصیب ہوتے ہیں اسکو بھی بہت دنوں میں نصیب ہوتے ہیں ماقصہ اس

در دولت تک سوائے حبیب رب العالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بالاصالت کسی کو اجازت نہوتی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام جو نبی آدم میں سے بانی اول کعبہ ہیں اگر اول بابیاں سچے تو وہ بابیاں ہونا چاہیے کہ وقت تعمیر عشرت کہ چوہا کات میلان خاص و سہلان باختصاص کے لئے بنایا جاتا ہو یا ان خاص سے پہلے حمار اور مہمان تعمیر نہیں آتے جاتے ہیں اور سوائے ان کے اور کوئی آیا تو کیا ہو اگرچہ ظاہر عالم فریب میں کون کون نہیں آتا مگر بلایا ہوا ہی جاتا ہے جس کے لئے حشر تکلف خاص بنایا جاتا ہے اب یہی یہ بات کہ یہ کیونکر کہیے کہ یہ گھر بالاصالت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے لئے بنایا گیا ہے انکی بقعت بنظر خدم امرا ان کے فضیل میں وہاں پہنچا اور اُسے پہلے جو آیا سولہ شوق میں آیا حسب الطلب نہیں آیا اس کا جواب یہ کہ معبود کو عابد چاہیے مگر حسیا اور کمال ہوگا اتنا ہی اور ہر کمال مطلوب ہوگا مگر عبودیت کے لئے کمال علمی اور کمال عملی کی ایسی طرح ضرورت ہے جس سے طائر کو دونوں پر و کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جس کی ظاہر ہی یعنی عبودیت خشوع و خضوع دلی کے ساتھ انقیاد و طاعت و باطن کا نام ہے سو اول تو اس علم حلال و جمال و ذوالجلال کی حاجت ہے علم مذکور انقیاد و مذکور محال و ذکر مبادی انقیاد یعنی اخلاق حمیدہ کی ضرورت جو مبادی اعمال اطاعت ہوتی ہیں ورنہ دعوت نقدان اخلاق حمیدہ انقیاد و مذکور ایک خواب و خیال ہے کیونکہ اطاعت اور انقیاد قوت عملی کا کام ہے اور اخلاق مذکورہ اسکی نشین یہی وجہ ہے کہ جو فعل اختیاری صادر ہوتا ہے وہ کسی کسی خلق سے تعلق رکھتا ہے اور وہ پیش و خلو سے متعلق ہے اور معرکہ آرائی شجاعت سے مربوط علی بن ابی القیس کسی عمل کو حیا کا ثمرہ کہیے کسی کو علم کا نتیجہ کہ میں نخل چہین کا طور ہے اور کہ میں بیجائی اور غضب کا اثر ہے یا بخل کوئی عمل اختیار ہی ہے تو وسط اخلاق صلاہ نہیں ہوتا ایسے جیسے عبودیت کو علم مذکور کی ضرورت ہے ایسے کمال اخلاق حمیدہ کی حاجت ہو علم تو اس سے زیادہ منظور نہیں کہ خاتم صفات حاکمہ سے مستفید ہو یعنی دیکھا علمی خداوندی کا ترقیب یافتہ اور دست گرفتہ ہو سوا سیکو ہم خاتم النبیین کہتے ہیں اور وہ خاتیت یہی ہے کہ وہ علم خداوندی سے ہر واسطہ مستفید ہو اور علم پر صفات حاکمہ کا اختتام ہو اور کیونکہ وہ اولاد و قدرت کسی چیز کے ساتھ جیتک متعلق نہیں ہو سکتی جیتک علم اس سے متعلق نہ ہو چکے اور علم کے لئے کسی اور کے تعلق کی ضرورت نہیں علم سے اوپر کوئی ایسے تعلق صفت نہیں جسکو اپنے تعلق کے لئے سوائے موصوف کوئی اور یعنی مفعول و کار ہو اور اس کے نیچے جیتک صفات مثل محبت مشیت ارادہ قدرت ہیں وہ بسا اوقات کسی مفعول سے متعلق ہو نہیں پاتے اور علم اس سے متعلق ہوتا ہے سو جو شخص بذات خود صفت علمی خداوندی سے مستفید ہو اور سوائے اسکے اور سب علم میں اس کے سامنے ایسے ہوں جیسے نقاب کے سامنے قمر کو اکب آئینہ و ذرات جیسے یہ سب زمین آفتاب سے مستفید ہیں گو مولات جس کے جہ جیسے ہوں ایسے ہی اور سب علم میں اس سے مستفید ہوں گو معلومات میں اس سے علاوہ نہ وہ شخص خاتم النبیین ہوگا اور سوائے اسکے اور انبیاء اسکے تابع اور تہذیب میں اس سے کم کیونکہ جیسے حاکم کا کام اجراء احکام ہوتا ہے وہی آدم کا کام تعلیم احکام خداوندی کا کام اور ظاہر ہے کہ تعلیم بے علم تصور نہیں ہو جیسے حاکم بالادست مرتبہ حکومت میں اول ہوتا ہے گو اسکے علم کی نوبت وقت مرفوعہ آخر میں آئے ایسے ہی مبادی علوم اور مصداکات علمیہ تہذیب میں اور سب سے اول ہوگا گو وقت تعلیم اسکے علوم و تحقیق کی نوبت بعد میں آئے پھر جب یہ لحاظ کیا جائے کہ حکومت بے علم احکام تصور نہیں ہو نہیں اور اسلئے حکومت علمیہ ہی کا کام ہے تو انبیاء کو حکام اور نائب خداوند ملک علم کا

پڑیگا اور چونکہ خدا تک ہوا سلسلہ کیورسانی نہیں جو بنی رتبہ میں سب میں اول ہوگا اسکا دین یعنی اسکے احکام اعتبار زمانہ سب
 ازیرینگی کیونکہ ہنگام ہر دفعہ جو موقع نسخ حکم حاکم ماتحت ہوتا ہے حاکم بالادست کے حکم کی نوبت آخر میں آتی ہے غرض اس وجہ سے مصدر
 علوم کے احکام اور علوم تک نوبت بعد میں آئیگی اور اس طور اسکے دین کا نسبت اور اولیٰ ان نسخ ہونا ظہور میں آئیگا باقی شبہ
 متعلق نسخ جو احکام خداوندی ہیں اسوجہ سے پیش آتا ہے کہ اس صورت میں خدا کی طرف غلط فہمی کا وہم ہوگا تو یہ شبہ شاید کیفیت
 اختلاف منفع و مسہل سے دفع ہو سکتا ہے غرض اختلاف احکام سابقہ و لاحقہ کو یہی ضرور نہیں کہ اول حکم میں غلطی ہی ہو بالکل جیسے
 تجلی گاہ جو بیت رتبہ میں تجلی گاہ عکس سے اول ہے ایسے ہی قبلہ اول کے استقبال کے لئے بھی اول ہی ہے جسکا بنی اور اول ہی وجہ
 کی امت چاہیے مگر ایسا بنی ہوا سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور ایسی امت ہوا سے امت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور
 کوئی نہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ قافلہ انبیاء ایک قافلہ سفارت ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو پیغامبر اور رسول کہتے ہیں۔ اور جو
 اس کہنے کی ہے ہوتی ہے کہ وہ پیغام خداوندی پہنچاتے ہیں اور احکام خداوندی لاتے ہیں مگر جب قافلہ انبیاء کو قافلہ سفارت
 کہتا تو لاجرم ان میں ایک کوئی قافلہ سالار ہوگا اول تو ایسے قافلون میں ایک کا قافلہ سالار ہونا ظاہر ہے یہی وجہ ہے سفارت اور
 نبوت ایک وصف ہے اور اوصاف کی کل دو قسم ہیں ایک تو وہ جو موصوف کے حق میں خانہ زاد ہو عطار غیر ہو و دوسرے وہ جو موصوف کے حق میں
 عطار غیر ہو مگر ظاہر ہے کہ عطار غیر کے لئے اول اس غیر کی ضرورت ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ غیر اس وصف کا موصوف ہی ہوگا و نہ تحقق
 اوصاف کے تحقق موصوف لازم آئیگا لیکن جب اسکو موصوف مانا اور اسکا وصف اسکے حق میں عطار غیر نہیں تو یہ بھی خواہ مخواہ تسلیم
 کرنا پڑیگا کہ وہ غیر مصدر وصف ہے اور وہ وصف اس سے صادر چنانچہ مشاہدہ کیفیت نوزد میں سے جیسے یہ روشن ہے کہ اسکا نور عطار
 آفتاب سے مشاہدہ کیفیت آفتاب سے یہ ظاہر ہے کہ اسکا نور اسکا خانہ زاد ہے اور اسی سے صادر ہوا ہے و نہ بالبدیہ کسی اور ہی کا
 فیض کہنا پڑیگا مگر تقسیم ہے تو پھر در صورت تعدد موصوفات دو وصف واحد ہو ممکن نہیں کہ سب میں عطار غیر ہو کیونکہ اس صورت
 میں عطار غیر کا تحقق لئے تحقق غیر لازم آئیگا اور نہ ممکن ہے کہ سب میں با چند افراد میں وہ وصف خانہ زاد ہو و نہ با وجود تعدد موصوفات
 وحدت موصوف لازم آئیگی کیونکہ تعدد حقیقی یہ ہے کہ کسی بات میں اشتراک اور وحدت نہ ہو اس صورت میں وصف واحد سے صادر ہو تو
 کسی وجہ میں وحدت ہوگی اور وہی وجہ موصوف بالوصف ہوگا اسلئے در صورت تعدد موصوفات یہ ممکن نہیں کہ وصف واحد سے
 حق میں خانہ زاد ہو لیکن جب دونوں احتمال ہاں ہیں تو پھر ہی ہوگا کہ ایک موصوف مصدر وصف ہوا باقی موصوفات اسکے دستے
 یعنی انکا وصف اسکی عطا ہوا اسوجہ سے وہ سب میں فضل بھی ہو اور سبکا سرور بھی ہو اور سبکا خاتم بھی ہو کیونکہ جب اسکو مصدر
 وصف مانا تو وصف مذکور میں اول اور بدیہ خاتم ہوگا چنانچہ مشاہدہ حال آفتاب زمین وغیرہ فیض یافتگان آفتاب سے ظاہر ہے اور
 جب وصف کسی وصف میں اول اور خاتم ہوگا تو لاجرم اس وصف میں وہ موصوف فضل ہوگا اور چونکہ وہ موصوفات میں وہ موصوف
 شریک ہو نہ کہ انکا وصف اسکا فیض اور اثر ہے تو لاجرم اسکو سرور بھی کہنا پڑیگا کیونکہ سرور اسکو کہتے ہیں چنانچہ ماتحتین پر حکومت
 کہے اور سروری شہر سے تو وہ وصف اگر انقسم احکام ہی یا احکام کے لئے شرط ہے جیسے علم احکام پر نہ پھر اسکا حکم کے احکام

آخر اور سب کے احکام کا نسخ ہوگا مگر چونکہ نبوت اور سفارت اقسام اور صفات ہیں اور پھر وصف بھی کیسا منجملہ احکام کیونکہ خدا کی طرف سے سفارت اور رسالت اور ظاہر ہو کر نہیں یا احکام ہوتے ہیں یا ثواب عذاب کے پیام تو لا جرم دین خاتم الانبیاء بنا سچ اور این باقیہ اور خود خاتم الانبیاء سرور انبیاء اور افضل الانبیاء ہوگا اور اسلئے اول نمبر کے دربار کی آمد و شد اسکے اور اسکے پیار کے ساتھ مخصوص ہوگی یوں کوئی اپنا آپ اس کو چہ میں جائے اور آئے تو محبوبوں کے کو چہ میں کون نہیں آتا جانا مگر غصہ کی آمد و شد کچھ اور ہی چیز ہو جو بولوں کی انجمن تک سوائے محبوب محبوبان اور کوئی نہیں پہنچ سکتا سو مزید محبوبیت درگاہ وجوب کا محبوب ہی ہوگا جو عالم امکان میں ایسی طرح مجمع و مآب ہو جسے عالم وجوب میں یعنی تجلیات ربانی اور صفات بزدانی میں وہ تجلی اول جو جسمی تجلی اور مصدر وجود ہی یعنی جیسے وجود اور صفات وجود اور تجلیات کی اصل اور مصدر وہ تجلی اول ہی چنانچہ پہلے عرض کر چکا ہوں ایسے ہی عالم امکان میں عالم امکان کے کمالات کے لئے وہ اصل اور مصدر ہو سو ایسا بجز ذات جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اور کون ہی علم میں اس کا سبب میں اول ہونا اور انبیاء کے علوم کا مرجع و مآب ہونا تو بھی واضح ہو چکا اور باقی تمام صفات تحکک کے حق میں علم کا مرجع و مآب ہونا پہلے آشکارا ہو چکا ہے اسلئے تمام کمالات انبیاء کا نشو و نما حضرت خاتم کی ذات سے واجب القیام ہی اور جب انبیاء کے کمالات کی کیفیت سے تو اور ورنہ کمالات کس حساب میں ہیں اور اگر ہنوز انکی نسبت کچھ شک ہو تو وہی تقریر جس سے خاتم الانبیاء کا مصدر العلوم ہونا اور انبیاء باقی کا اس سے مستفید ہونا ثابت ہوا ہے اور ورنہ علوم کے مقابلہ میں جاری ہو سکتی ہے باقی علم عقولات میں اگر خاتم الانبیاء اور اور انبیاء کو بظاہر خلقت نہیں معلوم ہوتی تو اول تو معلوم ہونی چاہیے کسی شے کا ہونا یا نہ ہونا نہیں ہونا ہم بہت سی باتیں جانتے ہیں اور بہت سے علوم میں دخل رکھتے ہیں مگر غیر ضروری سمجھ کر نہیں ہتھ نہیں ہوتے بلکہ اور ورنہ کو اطلاع نہیں ہوتی علاوہ برین گفتگو علم میں معلومات میں نہیں دخل کا ہونا ہونا معلومات کا ہونا ہونا ہی علم کا ہونا ہونا نہیں اگر کوئی شخص قوی البصر غانہ نشین ہو اور دوسرے شخص ضعیف البصر اور سلیح اور اسلئے اسکو نسبت شخص اول زیادہ تر عجب و غرائب کے مشاہدہ کا اتفاق ہوا ہو تو اس زیادتی معلومات سے اسکی بصارت قوی نہ ہو جائیگی اور کمال بصارت میں شخص اول سے نہ بڑھ جاویگا۔ سو اگر کسی شخص کم فہم و غبی کو بوجہ محنت و طلب کسی فن میں کچھ دخل حاصل بھی ہوا تو کیا ہوا ان چند معلومات سے کہ تیرے فہم میں اہل فہم سے نہ بڑھ جائیگا علاوہ برین جیسے سوئی دیکھو یا پچانی قوت باصرہ دونوں صورتوں میں ایک ہی فرق ہی تو اتنا ہے کہ سوئی باریک ہے اور پچالی موٹی ایسے ہی ذات و صفات خداوندی اور اور اسرار احکام خداوندی کا علم ہو یا نہ ہو و آسمان اور ادویہ اور خواص اجسام اور قضایا اور تصورات کا علم ہو قوت علمیہ یعنی ذہن اور فہم ایک ہے فرق ہی تو اتنا ہے کہ بول صورت میں معلومات دقیقہ اور خفیہ ہیں اور دوسری صورت میں معلومات حلیہ و ضخہ سو جیسا بمقابلہ سوئی اور لال بہت ذہم کے دیکھنے کے پچالی اور سوائے اور موٹی چیزوں کا دیکھنا کمال نہیں سمجھا جاتا ایسا ہی بمقابلہ علم ذات و صفات و اسرار احکام خداوندی علم زمین و آسمان و ادویہ و خواص اجسام و قضایا و تصورات مجملہ کمالات نہ خدا کیا جائیگا ان شمار کرنے والا کم عقل ہو تو غیر باجملہ بوجہ خیال معلوم کمال علمی سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام میں متامل ہونا اسکا کام ہی جسکو سرور و مکی تیر نہ ہو

بعد اجماع فرق علم و معلوم و اطلاع مصدیت خاتم الانبیاء علیہ خیالات اہل عقل کے نزدیک قابل التفات نہیں اور اسلئے بعد لحاظ اس امر کے کہ علم اور کمالات کے حق میں خشتا اور اصل جو علم اور نیزہ حملہ کمالات میں خاتم الانبیاء کو اصل اور مصدقہ ماننا لازم ہے جس سے یہ بات عیان ہو جاتی ہے کہ علم ہر مکان کمالات علمی ہوں یا کمالات عملی دونوں میں خاتم الانبیاء اصل اور مصدقہ ہے اور سوا اسکے جو کوئی کچھ کمال رکھتا ہو وہ در یوزہ گرد خاتم الانبیاء ہے اس سے زیادہ وضوح کی ہوسکتی ہو تو تکرار انتظار لائیں یہ مگر شخص ان دونوں کمالات میں اور دونوں سے کمال ہو گا وہ لاریب عبادت اور عبودیت میں بھی اور دونوں کے بڑھا ہوا ہو گا وہ اسکی یہ ہے کہ جیسے آگ اور پھوس کے اقتران کا نتیجہ اضرع ہوتا ہے اور آفتاب اور آئینہ کے تقابل کا ثمرہ آئینہ کی استنارت ہوتی ہے ویسے ہی کمال علمی اور کمال عملی کے اقتران کا نتیجہ بھی عبودیت اور عبادت ہو گا اسکی یہ ہے کہ کمال علمی کو یہ لازم ہے کہ اعلیٰ درجہ کی معلومات تک پہنچے سو شخص تمام افراد بشری سے اس کمال میں ممتاز ہو گا لاجرم عمدہ سے عمدہ معلومات تک اسکا ذہن پہنچے گا اور وہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ذات و صفات و تجلیات و اسرار احکام خداوندی ہیں اور کمال علمی کو یہ لازم ہے کہ علم سے معاشا شرمو اور موافق ہدایت علمی اس سے اعمال بخیرہ صادر ہوں یہ اسکی عرض کرنا ہوں کہ علم کو بشرط صحت طبیعت علمی عمل لازم ہے ورنہ نقصان طبیعت مذکورہ ہو تو علم رکھنا اگر خاک بھی نہیں ہوتا بھیل کتنے ہی فضائل سخاوت کیوں نہ معلوم ہوں ہاتھ سے کوڑی نہیں چھوٹ سکتی مگر یہ فرق کہ علم ہوا اور عمل نہ ہو قابل ہی کی جانب متصور ہے

فال یعنی اصل اور مصدقہ کمال علمی عملی کی جانب متصور نہیں وجہ عقلی تو یہی ہے کہ مصدقہ کے حق میں تو وصف صلاخا نہ ہوتا ہے سو شخص مصدقہ کمال علمی ہوا اور پھر پانیو جبکہ کمال علمی کمال علمی کے لئے اصل اور خشتا ہے وہ شخص مصدقہ کمال علمی بھی ہو تو لاجرم موافق اس قاعدہ مذکورہ کے کہ اصل اور مصدقہ وصف اس صفت میں اکمل اور افضل ہوا کرتا ہے مصدقہ مذکور یعنی خاتم کا دونوں کمالات میں کمال ہونا بلکہ اکمل اور افضل اور اعلیٰ اور اشرف ہونا جو ہر تسلیم ہو گا ان قابل کی جانب کی اجمال میں دونوں کا قبول بدرجہ کمال ہو یا دونوں کے قبول بدرجہ کمال ہو یا ایک قبول اچھا ہوا اور دوسرے کمال کے قبول میں نقصان ہو مگر یہ جہاں باادب قابل مصدقہ کو برابر نہیں ہو سکتا چنانچہ اور عرض کر چکا ہوں اور تمثیل مطلوب تو یہی ہے آفتاب صدر نور بھی ہے اور مصدقہ حرارت بھی ہے اسکا دونوں کمالات میں مل ہونا تو مثل آفتاب نیم فزونی ہے یہی قابلیت نہیں سے تیشیں شیشہ تو دونوں کے حق میں بدرجہ اتم قابل ہے مگر قبول کتنا ہی کیوں نہ ہو مصدقہ کی برابری ممکن نہیں ہے وجہ یہ کہ قبول کمال قبول آتشیں شیشہ آفتاب کا ہم سنگ تو کیا پائسنگ بھی نہیں اور آئینہ نہیں قبول ہو تو بدرجہ اتم ہے پر قبول حرارت نہیں اور پتھر ویسے وغیرہ میں قبول حرارت زیادہ ہے پر قبول نور نہیں یا بجلا خاتم میں چونکہ دونوں کمال بدرجہ کمال ہوتے ہیں اور وجہ اسکی یہی ہے کہ وہ مصدقہ ہوتا ہے تو بالضرورت مقتضای کمال علمی اول خدا کے جلال و جلال سے بدرجہ کمال اسکو و قنیت ہو یا پائسنگ اور کوئی ہم سنگ تو کیا ہو پائسنگ بھی نہیں اسکی اور پھر مقتضای کمال علمی علم جلال و جلال سے بدرجہ کمال ہی متاثر ہو اسکی مقتضای کمال علمی باسرار احکام خداوندی سے آگاہ ہوا اور پھر مقتضای کمال علمی اسکی موافق بجا لائے مگر علم جلال کی تاثیر محبت اور علم جلال کا اثر خوف ہے اور ظاہر ہے کہ یہی دو سامان تزلزل میں یکساں تاثیر علمی اور کمال تاثیر علمی ہو تو پھر کمال ہی درجہ کی محبت اور کمال ہی درجہ کا خوف بھی ہو گا اور اسلئے کمال ہی درجہ کا عجز و خضوع و تزلزل خدا کے حضور میں ہو گا سو ہی کمال عبادت ہے اور اسکی بدرجہ کمال علم باسرار احکام و کمال انقیاد کمال ہی درجہ کی

اطاعت ہوگی سوہی کمال عبودیت کے مظاہر ہے کہ یہ کمال مقابل کمال عبودیت کے مگر کمال عبودیت محبوبیت میں ہے چنانچہ پہلے عرض ہو چکا ہے وہاں اگر جمال ہے تو یہاں محبت ہے وہاں اگر استغنا ہے تو یہاں خوف ہے باقی رہی حکومت اگرچہ وہ بھی ایک قسم عبودیت ہے وہاں بھی یہی دو صورتیں ہیں ایک محبت پر محبت احسانی و دوسرے خوف پر خوف قہر لیکن محبوبیت میں جو بات ہے وہ حکومت میں کہان اس لیے محبت جمالی میں جو بات ہوگی محبت احسانی میں کہان وہ بات ہوگی اور خوف استغنا میں جو بات ہے وہ خوف تہرین کہان چنانچہ محبت جمالی اور محبت احسانی کو موازنہ کر دیکھیے محسن کی محبت بیشک ہوتی ہے پر عشق محبوبین سے اس کو کیا نسبت اور اہل قہر کا خوف بالظہر ہوتا ہے پر خوف استغنا محبوبان اس کو کیا نسبت اور ظاہر ہے کہ مطلوب محبوب بحیثیت محبوبیت محب ہوتا ہے اور مطلوب معبود بحیثیت معبودیت عباد اول تو یہ بات تعادل باہمی ہی سے ظاہر ہے جیسے فوق کو تحت چاہیے ہیں ویسا مقام و خلغ ہو کہ نہ وہ کو ان چاہیے نہ انی چھتے ہوں کہ نہ ہوں نہ ج کہ نہ ہوں نہ چاہیے مان باپ ہوں کہ نہ ہوں ایسے ہی استاد کو شاگرد کا کو محکوم محبوب کو محب چاہیے اور کوئی ہو کہ نہ ہو دوسرے محبوب میں ناز انظار عشوہ غمزدہ وغیرہ کمالات محبوبی تو سب ہوتے ہیں پر عجز و ناز و سوز و گندار نہیں ہوتا ایسے ہی معبود میں علم و قدرت و جمال و کمال تو سب کچھ ہوتا چاہیے پرست و ساجد خوشامد و داند حاجت اور بیکاری اور ذلت اور غاری نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ مطلوب ہی چیز ہوتی ہے جو چاہے ہاں نہیں ہوتی اس لیے محبوبیت کو محبت اور معبودیت کو عہدیت اور عزت کو ذلت مطلوب ہوگی اور سوجھ سے خاک کے یہاں سے بلاصالت اور بالذات اگر مطلوب ہوگی تو یہی باتیں ہونگی ہی اس کے خزانہ میں نہیں اور سب کچھ ہی کہ مطلوب ہی چیز ہوتی ہے جو محبوب ہوتی ہے اس لیے یہ ضرور ہے کہ حضرت خاتم مرتبہ محبوبیت کے مطلوب ہوں اور یہ یہ ضرور ہے کہ مرتبہ محبوبیت کے محبوب ہوں اور اس لیے یہ ضرور ہے کہ در بدر خاص ان کے لئے مخصوص ہو سو وہ دہ بار تو خانہ کعبہ مطلوب وہ خاتم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کمال علمی پر تو ان کا اعجاز علمی معنی اعجاز قرآنی کافی ہے اگرچہ ملہر ان احادیث کو اور بھی اس کا یقین طرہ جانا ہی القصہ کمال علمی کو یہ ضرور ہے کہ معلومات کاملہ تک بوجہ حسن نتیجے اور ان کا نشان عرض کر چکا ہوں کہ وہ کیا چیز ہیں اور اب یہ عرض کرتا ہوں کہ قرآن اس باب میں الجواب ہے اگر کوئی نہ مانے تو کوئی کتاب اس سے بہتر یا اس کے مثل دکھائے نہ جائیں یہ تو علم حقائق کا حال تھا اب علم وقائع کی بات سنئے علم وقائع میں سب میں بڑھ کر علم مبداء و معاد ہے اور علم زمانہ گذشتہ اور زمانہ آئندہ ہی علم واقعات زمانہ گذشتہ میں تو اس سے بڑھ کر کوئی واقعہ نہیں کہ اچھوں اور بروں کے افعال اور احوال معلوم ہوں جس سے عبرت ہو اور شرخ و خجرت زندگانی سے شہرین کام ہو اور علم واقعات مستقبلہ میں وہ پیشین گوئیاں ہیں جن سے اچھوں اور بروں کی تدابیر ان کے افعال و احوال کی برآمد کی خبر ہو اور اس سے اسید اور اندیشہ دلیں پیدا ہو اور متاع عمر عزیز بیکار نہ جائے سولان و دونین بھی جس کے سیکاجی چاہے قرآن و حدیث سے مقابلہ کرے یہ کمالات علمی اپنے اول تو اہل عقل کے لئے سوانح عمری محمد علی دلائل کریمہ کو کافی ہے اور بزرگوں کی سوانح عمری کو آپ کی سوانح عمری ملا دیکھیے جیسے دیدہ اہل نظر نے اس کے کہ پہلے سے کوئی پیمانہ دیا جلتے جمال یوسفی کو اور ان کے جمال سے دیکھتے ہی بڑھ کر بتلایا گیا ایسے ہی دیدہ اہل بصیرت آئندہ جہاں ناسوانح عمری کو دیکھتے ہی کمال علمی محمدی کو اور کمالات علمی سے انشا اللہ بڑھ کر بتلایا جائے گا دوسرے کمال علمی کی بہت سی شاخیں ہیں پر جیسے درخت کی چوٹی ایک ہی ہوتی ہے

تھے ہی جان ہی اپنی شاخ ایک ہی پر وہ شاخیں تو یہ اخلاق حمیدہ میں اور وہ ادھر کی شاخ محبت ہے اور وہ شاخ کمال
عملی ہوتا تو اس سے ظاہر ہو کہ تمام اطلاق مبادی اعمال منوعہ ہیں سخاوت کے کچھ اور کلام مجتہدین اور شجاعت کے کچھ اور افعال اور محبت
کی شاخ عالی ہونے کی یہ دلیل ہے کہ تمام اخلاق اسکے خدمتگار اور تابع ہیں جس سے محبت ہوتی ہو اس طرف سخاوت و شجاعت و علم و حیا
و غضب و غلا وغیرہ کامیلاں ہوتی ہیں یعنی کہ محبوب کے لئے دہال سے دگندہ جان سے پہنچ انکی میٹھی کڑی سب ہی جاتی ہو اور انکی قدر
و منزلت کے آگے اپنی جان و مال کو حقیر سمجھ کر بوجہ حیا اسکے سامنے آنکھ نہیں کھاتی اسکا دشمن نظر آئے تو انکے نہیں خون اتر آئے اور اسکا عہد
و پیمانہ یاد آئے تو جان بکھیل جائے خواص جہد کو محبت کا رخ ہوتا ہو اور دھڑکی کو تمام اخلاق کی توجہ ہوتی ہو اور کمال محبت کی نشانی
یہ ہے کہ اپنے محبوب کی بات بکلی ہوتی نظر آتی تو مال و اسباب پر پشت پامان نہ دفرند خویش و اقربا کو بکھڑے مقابل میں ایک ہو
یا ہزار سرکھٹ تہا میلان کارزار میں دشمنان مجھ سے دست و گریبان اور دوچار ہو جائے اسکے بعد حضرت رسول عربی کے زمانہ کے شرک و بدعت
اور انہماک و رند گار کی شوکت اور ثروت اور بھرپور سہرا کی تنہائی اور افلاس اور بھرپور خوش اور اخلاص کو دیکھے تو یوں یقین ہو جاتا ہے کہ ایسی
جان نثاری اور وفاداری کسی سے نہیں بن پڑی اس زمانہ کے شرک و بدعت کی کیفیت تھی کہ شرق سے عرب تک اور جنوب سے شمال
تک توحید و اصل دین کا پتہ نہ تھا ہندوستان میں تو قدیم سے شرک رہا ہو اور کون نہ خود انکے ان بید نہیں جو انکے اعتقاد کے وقت
موجود آسمانی اور ظنون یزدانی سے شرک کی تعلیم موجود ہے علی ہذا الغیاس صہب کی بھی یہی کیفیت تھی اور ترکستان کا بھی حال تھا
ممالک میں ایک ہی قسم کے خیالات اعتقادی اور عبادات اجتہادی تھے اور ایران و ان تشر پرستی کی گرما گرمی عرب میں خوب پرتی
تھی یوں ہی علاوہ تعریف دین جبر انکی کتب کی کیفیت اور انکے علماء کا اتوار شاہد ہے اور جسکے باعث مجاہد دین خداوندی کا
بندہ یعنی بدعت رائج ہو گئی تھی بوجہ غلبہ تکلیف و صلیب پرستی توحید کا پتہ نہ تھا مصروع جس کی یہی کیفیت تھی غرض تمام ممالک میں
مجاہد توحید شرک اور مجاہد دین خداوندی ایجاد بندہ یعنی بدعت کا رواج تھا اس زمانہ میں جو شخص توحید کا نام لے اور توحید دین کا
کلام کرے یوں کہہ سکتے تھے کہ اس نے اپنا دشمن بنا لیا یہ بھی امید نہیں کہ بیان سے بچ سکے تو وہ ان پناہ طلباں کی بلکہ موافق مصرعہ
بہر کہا کہ وہو ہم آسمان پیدا است اس زمانہ میں عرب و عجم برابر نظر آتا تھا۔ آفرین ہو بہت محمدی کو کہ سارا زمانہ ایک طرف تھا اور وہ تنہا
ایک طرف تھے بوجہ تعصب ہی جسکے باعث اپنے پرگانے سب غل کے پیدا سے بچاتے ہیں جو جو جنائین اپنے انکی قوم نے کین انکو کون
نہیں جانتا مگر جب اہل وطن سے امید و براہی نرہی تو گھر بلزلن و فرزند خویش و اقربا کو چھوڑ بکالت تنہائی وہ اور انکے یار غلام و بکر
صدیق و خمر و کرب و کرمین آئے اور اپنے چند خستہ حال رفیقوں سے اس سبکی اور فقر و فاقہ میں مخالفان خدا سے اس استقلال
سے مقابل کرنے کی تسلی نظیر صفہ ہستی میں صحت پذیر نہ ہوئی مگر فعل مشہور ہو بہت کا حامی خدا ہے انکے اس استقلال اور انکی اس
صدقیت اور حسن احوال اور انکی اس سہجہ و سادگی اور صدق و مقلی انکی حقانیت اور کمال کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو مقابل ہوا اسی نے منہ
کی کھائی اور جس نے سر پہلاد ہی سر کے بل گرا پھرتا اور ان نے بھی کی پر یہ جان نثاری کہاں محبت کیش اند بھی تھے پر یہ
وفاداری کہاں اگر کسی نے راہ خدا میں دلو شجاعت دی بھی تو نہ ایسا خوفناک زمانہ تھا نہ پھر ایسا نتیجہ پھر صفر عہد ہو سکتا

ہے جسکی بہت کی بدولت توحید کا بل بلایا ہوا اور شرق سے غرب تک ایک خدا کی پرستش کا شور مچا گیا ہو یہ کثر محبت خداوندی اور
 اعجاز کمال علی نہ تھا تو کیا تھا اگر آپ سدا سے حکومت یا کار فرما سے مل و دولت ہوتے تو یہ بھی احتمال تھا کہ خوف شرکت یا
 طمع دولت میں ایک لشکر طفر سیکر ساتھ ہو گیا ہو مگر اس سبکی اور افلاس پر یہ کار نمایان جسکی نظیر تواریخ سلاطین میں بھی نہیں
 ملتی اور وہ بھی اس کیفیت کے ساتھ اپنے لئے کچھ نہیں اور ہر بات میں خدا کی غفلت اور توحید پر نظر ہے اسی اخلاص اور محبت کا
 ثمر ہو سکتا ہے یا تسخیر اخلاق کا نتیجہ سو یہ اخلاص اور محبت اور ایسے اخلاق اور غفلت کو کسی کسی میں مکمل ہے تو سہی سہی
 راجحہ اور دوسری کرشن نے یہ کام کیسے کیے یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ سے یہ بات بن چھپی تھی اور یہ تو ظاہر بنیوں کے انداز فہم کے ہوتا
 گفتگو تھی کمالان فہم کے لئے تو یہ بھی ترقی محبت اور اعتقاد محمدی کی گنجائش پر غرض یہ ہو کہ ایک قسم کے حکاموں میں تفاوت
 و طرح ہوتا ہے ایک تو یہ کہ ایک ہی قسم کا نتیجہ دونوں پر متفرع ہو پر ایک پر زیادہ ایک پر کم ہو سلا یہ ہو کہ باہم دونوں کے نتیجوں میں
 فرق نہ ہو سو یہ سلا اگر مخالفت حدود ملک میں جان بازی کریں پر ایک زیادہ کامیاب ہو تو یہ تو پہلی صورت ہو اور اگر ایک سردار فقط
 سرحد کی مخالفت میں دلو شجاعت سے اور ایک بادشاہ کے خاندان کو بچائے یا دار الخلافت سے غنیمت کے لشکر کو نکال دے تو گو بظاہر باعتبار
 شجاعت دونوں برابر ہیں پہلے تو افغان حقیقت کے نزدیک اس شجاعت اور اس شجاعت میں بھی فرق ہو کہ چونکہ جبکہ غنیمت کو بادشاہ کی
 گرفتاری میں بہت کم ہوتا ہے اور نہ کی گرفتاری میں نہیں ہوتا اور جبکہ دار الخلافت کے تسلط کے وقت خیال و حکام ہوتا ہے اس قدر
 مواقع میں نہیں ہوتا اور اسلئے ایسے وقت میں ایسے شجاعوں سے کلام نہیں چلتا دوسرے یہ کہ اسی طرح شکار کے بھیجے
 وادوش کے باعث کوئی بادشاہ لشکر سے علیحدہ شدت تشکی سے جان لب تھا اور اسلئے ایک پیالہ پانی کا آدمی سلطنت کے لئے خرید لیا
 تھا اور حدود پر جان نشاری ایسی جیسے حالت میں والہینان میں روزمرہ معمولی تھوہوں پر ہشتی پانی بھر کر تے ہیں جیسے بوجہ
 منہوت اسی پانی کے دام کہان سے کہان پہنچے ایسے ہی بوجہ ضرورت فتح مکہ کے ثواب کو بھی اور نہ کی جان نشاری کی نسبت آئے
 ہی تفاوت پر بھیجے کیونکہ حامل فتح مذکور یہ ہوا کہ بجلی گاہ محبوسیت یعنی خانہ کعبہ دشمنان خدا کے پنجہ سے نکالا اور پھر سہین سے ہونکو
 نکال بابر کیا یہ جیسے دنیا ہی ہو جیسا کوئی دار الخلافت سے غنیمت کو بابر نکال دے ایسا سردار میکا سکا تھی ہونا ہو کہ اسکے اگلے
 پچھلے قصود سے اسکو بری کریں اور عمدہ سے عمدہ اور عمدہ سے عمدہ غلام اسکو عطا کریں اور ہمیشہ بغیر مرہبانہ اسکے ساتھ
 کرتے رہیں یعنی علاوہ خبر گیری ضروری اسکے بجلے سے سے گاہ کرتے ہیں اور کوئی شخص اس سے برسر پیکار ہو تو خود اسکی مدد
 کریں اور حامل ان سب باتوں کا اخلاص ان سب باتوں کا دہی عجوبہ ہے یہ بات تو عقلی تھی پھر اور خدا کے کلام کو دیکھا تو اپنی
 انافتنا کہ فتوحات میں ان چاروں باتوں کا وہ پایا اور اسلئے اس کلام کی حقانیت کا اور اپنے خیال کی سستی کا اور بھی
 یقین ہو گیا باقی یہی فضیلت خود جبرہ ہا بن نظر ہو کہ اس غلت اور غلت کے وقت ایسی جان نشاری و شوارہ شوارہ تھی ورنہ
 باہر تہیہ ہو کہ فتح کے کیا نسبت قصہ کمال علی کمال محمدی و سالانی ہو کہ بجز اہل قصبہ اور سوتے جاہلان کم فہم
 اور کوئی اسکا منکر نہیں ہو سکتا جب کمال علی اور کمال علی دونوں میں آپ یکساں تھے تو پھر آپ خاتم ہو گئے تو اور کون ہو گا

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ نہ کسی اور کے لئے یہ خطاب آیا اور نہ کسی اور نے یہ دعویٰ کیا مگر غیبت ہے تو جیسے خاتم مراتب
معبودیت مرتبہ محبوبیت ہو ایسے ہی اسکے لئے عبد بھی خاتم مراتب عبدیت و عبودیت چاہیے اسلئے تجلی گاہ محبوبیت آپ ہی کے
لیے مخصوص ہوا اور آپ ہی کو اسکے استقبال کا حکم ہوا تاکہ یہ تاخر استقبال دونوں کی خلقت پر دلالت کیے باجملہ تجلی گاہ و تجو
کے چند خاص ہیں اول تو وہ وجود اور تعمیر میں اول ہو دوسرے ویرانی اور بربادی عالم کا اس سے ابتدا ہو تیسرے یہ کہ
ارکان حج اسکے ساتھ متعلق ہوں چوتھے یہ کہ خاتم الانبیاء کے لئے وہ مخصوص ہے سو بجا آمد یہ چاروں باتیں خانہ کعبہ میں موجود
ہیں لامر جبہ اصلی بان سبکی انعکاس اور رونق افزائی تجلی مذکور ہو وہی سجود اور معبود ہو اور دیوار کعبہ قطع مسجودانہ اور مثل تخت
شاہی اور در دولت شاہی جہت اور سمت اور قبلہ آداب و نیاز ہو مثل بتان ہندو چین و عرب و آتش ایران خود معبود اور
معبود نہیں یہی وجہ ہے کہ اس طرف کو کوع و سجود کرتے ہیں تو اسکو استقبال کعبہ کہتے ہیں مثل بت پرستی کعبہ پرستی نہیں کہتے
اور یہی وجہ ہے کہ وقت استقبال عظمت کعبہ کا خیال تک بھی بشرط نہیں چہ جائیکہ مثل بت پرستی نیت پرستش کعبہ ہو بلکہ کسیکو
در بیان بھی نہ آئے تو عبادت میں قصہ تو کیا ہوتا اور کمال سمجھے کہ غیر خدا کا خیال بھی نہ آیا اور یہی وجہ ہے کہ اول سے آخر تک
نماز صبح میں کوئی کلمہ شمر عظیم کعبہ نہیں آتا جو ہوتا ہو وہ خدا ہی کی تعظیم کا کلمہ ہوتا ہو جیسے بت پرستی میں اولہ الی آخرہ غیر خدا
کی تعظیم ہوتی ہو استقبال کعبہ میں ایک لفظ بھی کعبہ کی تعظیم کا نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ اول سے نماز صبح کے لئے دیواروں کا ہونا شرط
نہیں اگر ان عبادتوں میں کعبہ پرستی ہوتی تو جیسے وقت بت پرستی بتوں کا سامنے ہونا ضرور ہو دیوار کعبہ کا سامنے ہونا بھی ضرور
ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام خانہ کعبہ کو بیت اللہ کہتے ہیں خود اللہ یا شریک اللہ نہیں سمجھتے جو مثل بت پرستی وقت عبادت اہل
اسلام کعبہ پرستی کا احوال ہوا اور یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کعبہ کو اپنے حق میں مختار نفع و ضرر نہیں سمجھتے بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی
علیہ وسلم کو جو اہل عبادت کرتے تھے اس سے افضل سمجھتے ہیں اگر اہل اسلام خانہ کعبہ کو اپنا معبود سمجھتے تو لاجرم جیسے بت پرست
اپنے معبود و نیکو مختار نفع و ضرر اور عابد کو افضل سمجھتے ہیں وہ بھی خانہ کعبہ کو مختار نفع و ضرر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
افضل سمجھتے اور یہی وجہ ہے کہ خانہ کعبہ کے استقبال میں اول خدا کے حکم کا انتظار یا اگر اہل اسلام خانہ کعبہ کو مثل بتان ہندو
عرب حتی عبادت سمجھتے تو جیسے خدا کی عبادت میں انکو اور بتوں کی عبادت میں آند و نیکو کیسے حکم کا انتظار نہیں ایسے ہی خانہ کعبہ
استقبال میں بھی انکو خدا کے حکم کا انتظار ہوتا اس تقریر پر نشان سے اہل فہم کو فقط بت پرستی اور استقبال میں ہی فرق نہیں
معلوم ہو گیا بلکہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خانہ کعبہ تجلی گاہ محبوبیت ہے اور بتوں میں یہ لیاقت بھی نہیں چہ جائیکہ تجلی گاہ محبوبیت بلکہ تجلی گاہ
حکومت ہی ہوں اور اس بل میں وہ مضامین دلچسپ اور اق سچے کہ اگر یہ تقریب نہ ہوتی تو وہ مضامین دلفریب و بیزہ گوش
عام و خاص نہ ہوتے پاتے مگر یہ سب پشت جی کی عنایتوں کا ثمرہ ہے اسلئے اہل فہم کی خدمت میں گزارش ہے کہ ملاحظہ فرمادیں
بیدار غنی نغمات میں خود عرض مضامین معروضہ سے پشیمان ہوں پر کیا کروں پشت جی کی عنایتوں نے یہ سب کچھ کراہا اور نہ بل
کی باتیں یوں گوش نہ جا بلان کینہ خواہ اور بغیر غرض منہ خیال یوں پامال فلم و سیاہ ہوتے قدر شناسان علوم عالی فہم سے

تو جتنی امیدیں لیجئے بجا ہی پر پختہ ہی اور ان کے مریدوں کی عنایت سے دور نہیں کہ اس تقریر مسلسل کو مجھ و بونگی ٹریتلائین خیر سکا
جواب ترکی بہ ترکی تو ہم ابوقت دیکھنے کی طرف سے چھوٹے لپکا پر سرست یہ گذارش ہے کہ یہی کہہ دین پر ایک بار بغور ملاحظہ فرمائیں
اور یہاں سے خدا بہت نہیں تھوڑا ہی انصاف فرمائیں۔ اب مناسب یوں ہے کہ وہ مضامین بھی گزارش کرنا چلوں جنکا عجب نہیں
وہ تعان اہل فہم کو انتظار ہے۔

تھم۔ ناظرین ادراک میں سے شاید کسی کو خیال ہو کہ بعد موجود ہو البتہ بلا اہل مسطورہ بالا اسکا تجلی گاہ ربانی ہونا مسلم پر ہونا
اس کے بعد وہی میں تامل ہے عجیب نہیں یہ بدایت جیسے درکار کا ثبوت بعد ہے بدایت وہم اور یہ مشاہدہ بعد الیسی طرح غلط ہے جیسے مشاہدہ
حرکت ساحل وقت حرکت سفینہ یا مشاہدہ دائرہ آتشین وقت حرکت شعلہ جو غلط ہوتا ہے اور اگر یہ بدایت مشاہدہ الیہا بدایت وہم نہیں
بدایت حواس ہے اور یہ مشاہدہ مشاہدہ الیہا مشاہدہ صحیح ہے تو اسکی لاتنا ہی بشہادت و دلائل ابطال لاتنا ہی کی سطح قابل تسلیم نہیں دوسرے
موافق اعتقاد اہل اسلام حقیقت محمدی حقیقت کعبہ سے افضل ہے اس لئے ایک اس طرف سجدہ کرنا میرے تناقض پر دلالت کرتا ہے جس سے وہم
ہوتا ہے کہ بانی دین اسلام آج بکے حکم کیا علی ہذا القیاس ح رہا بیت قرآنی حضرت آدم علیہ السلام سجود ملائکہ اور یوسف علیہ السلام اپنے بھائی
اور یان کو سجود مگر موافق اعتقاد اہل اسلام اور بقیہ کا دعوت خاتمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے افضل اس لئے یوں نہ
کہ اگر حضرت آدم سجود ملائکہ تھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجود خلائق اور سجود آدم و بنی آدم ہوتے اور حضرت یوسف علیہ السلام اگر مسجود
بر اعلان والدین ہوتے تھے تو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مستحق سجدہ یوسفی ہوتے مگر دین اسلام کی روایتوں سے یوں معلوم ہوا کہ
انبیاء و اہل سل اولو العزم اور ملائکہ تو نہ کھڑے اپنے امتیون کو بھی آئیے اپنی طرف سجدہ کرنے سے منع کیا جس سے یقین ہوتا ہے کہ خدا کی
طرف سے بوجہ عداقت اجازت نہ تھی انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار باتیں ہنوز تحقیق طلب باقی ہیں اس لئے یہ گذارش ہے کہ اگر یوں ہی ہو یہ بدایت
میں افعال بدایت وہم ہوا کہ نہ کوئی بدایت بھی قابل اعتبار نہ ہوگی۔ مشاہدہ حرکت ساحل اور مشاہدہ دائرہ آتشین کو اگر غلط کہتے
ہیں تو اسکی یہ وجہ ہے کہ اس سے پہلے ساحل کے سکون اور دائرہ کے عدم کا یقین بدیہی ہوتا ہے پھر اس کے بعد یہ مشاہدہ ہوتا ہے اور
اس کے ساتھ وہ غلطی بھی معلوم ہوتی ہے اس لئے علم اہل کو غلط نہیں کہتے اس مشاہدہ ہی کو غلط کہتے ہیں اور جہاں صورت نہ ہو جیسا مشاہدہ
بعد مجرور میں ہے تو پھر اس بدایت ہی کو یقینی سمجھنا چاہیے ورنہ پھر کوئی بدایت قابل اعتبار نہیں ہو سکتی اور جب بدایت ہی قابل
اعتبار نہیں تو استدلال علوم تو کیوں قابل اعتبار ہوئے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ساحل کا سکون بلکہ اسکا قابل حرکت ہونا
ایسا یقینی ہے کہ اس کے مقابل کسی وہم بھی نہیں ہوتا یعنی جیسے شک و ظن میں دونوں نقیضوں کا ساتھ خیال ہوتا ہے یہاں علم مذکور
اور علم نقیض ہم آغوش نہیں ہیں اور یہ جو مشاہدہ مذکور اس کے مخالف ہے تو یہ اس کے بعد ہی اس کے ساتھ نہیں پھر ساحل حرکت کشتی یعنی
تبدیل اوضاع اور قرب بعد اجسام مقابلہ جیسے بوجہ حرکت کشتی حاصل ہو سکتا ہے ایسا ہی بوجہ حرکت ساحل اگر بالفرض وہ متحرک ہو
حاصل ہو سکتا ہے پھر جو دیکھا تو بوجہ سبک رفتاری کشتی حرکت کشتی خود محسوس نہیں ہوتی وہی نتیجہ حرکت یعنی تبدل اوضاع اور قرب
بعد محسوس ہوتا ہے مگر یہ مضمون بسیط نہیں جو تنہا اپنا کشتی کا تصور کافی ہو بلکہ جیسے بوتے کے لئے جوت کا تصور اور فوق کے لئے

حکمت کا تصور دینی ہے لیکن کشتی کے ساتھ ساحل وغیرہ کا تصور ضروری ہے کیونکہ قریب بعد از میں یہ تصور ہی جانا ہی اس میں
 میں ویسا ہی ہے جیسا کہ بہت فوق و تحت وغیرہ ان فرض خود حرکت محسوس نہیں قریب بعد از تبدیل اوضاع محسوس ہے اور وہ ساحل کے
 ملاحظہ اور تصور کا محتاج ہے اس کے ساتھ اپنا تصور اور اپنی جانب کا تصور نسبت اور ویکٹ تصور کے کیسے تصور کا تصور والی طرف علم اور
 تصور کا تصور ہوتا ہے اور جب کا تصور ہوتا ہے اس پر اس کا وقوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو تصور ہوتا ہے محل وقوع ہوا جو مبداء بودی ہوتا ہے
 بدولت انقلاب حرکت متصور نہیں اور انقلاب حرکت کے لئے کوئی سبب نہ ہوا اور حرکت جدید چاہئے اس لئے باعتبار حرکت صدر و صدر کا محل
 وقوع ہونا اور مبداء کا ہونا بنانا ممکن نہیں ہے وجہ یہ کہ اپنے مخروط بصری یعنی قوت باصرہ سے خود اپنا چہرہ اور آنکھ نظر نہیں آتی
 مان لگاتار سامنے آجاتے اور اس لئے مخروط بصری ٹکڑھا کر پھر گیند کی طرح پیچھے کو ہٹے اور حرکت منقلب ہو جائے تو البتہ چہرہ اور آنکھ
 نظر آئے مگر یہ چہرہ باوجود وقت سے خالی نہیں اور قبل صحت سبب انقلاب یہ بات ممکن نہیں مگر کشتی کے قصہ میں جب تک خیال کیجئے
 اپنے تصور کا کوئی سبب نہیں اس لئے درست تصور قریب بعد از تبدیل اوضاع میں ساحل ہی پر نظر پڑتے ہی اور سامان اور بصری نظر
 آتا ہے اور اس لئے ہی متحرک علوم ہوتا ہے غرض اس وجہ غلطی اور اس یقین کے مزارع کو نظر کیجئے تو پھر یہ بہت حرکت سال بدست
 وہم ہی کہنے کے قابل ہے علیٰ ہذا القیاس شعلہ جلا کا حال پہلے سے معلوم اور اس علم کے مقابل کیسے وہم تک بھی نہیں اس کے بعد
 جو دائرہ آتشیں محسوس ہوتا ہے تو اس کی وجہ وجہ یہ ہے کہ موجود یعنی وقت حرکت ایک جگہ پر شعلہ کا تصور اور مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ ہنوز ہنوز
 سے نکلے نہیں پانا جو دوسری جگہ پر شعلہ کمرہ پہنچ جاتا ہے اور اس لئے چاروں پار اس کا تصور نہیں میں آتا ہے اور تصور سابق کے ساتھ بلکہ
 ایک صورت متصلہ بناتی ہے آخر کار رفتہ رفتہ حرکت مستدیرہ شعلہ کے باعث ہی طرح ایک دائرہ میں بن جاتا ہے اور وجہ سے
 دائرہ محسوس ہوتا ہے ان فرض اس علم یقینی سابق کو جس کے پہلو میں کسی مزعم نہ صاحب اس طرح کے مشاہدہ کے ساتھ ملاتے تو پھر یہ کہنا
 پڑتا ہے کہ یہ مشاہدہ غلط ہے اور یہ بہت سمجھ نہیں بہت وہی ہے مگر اس مشاہدہ بعد از میں یہ بات کہان نہ مشاہدہ میں کسی طرح کا
 تردد ہے اور نہ کوئی مشاہدہ اور بہت پہلے سے اس کے مخالف ہے اور نہ کوئی وجہ غلطی کی ساتھ لگی ہوتی ہے حرکت ساحل اور دائرہ آتشیں
 کے مشاہدہ میں اول تو پہلے سے مشاہدہ ہی مخالف ہے مشاہدہ اول اس پر مشاہدہ ہو کہ نہ سال ترک ہے اور نہ متحرک ہو سکے اور نہ دائرہ آتش
 وجود ہے دوسری وجہ غلط فہمی دونوں جگہ پر مشاہدہ ہے چنانچہ اول عرض کر چکا ہوں اگر مشاہدہ بعد از مشاہدہ حرکت سال اور مشاہدہ دائرہ
 آتشیں پر قیاس کرنا تھا تو اول مشاہدہ محض کو جو پہلے ہو چکا ہو اور وجہ غلطی کو کہ میں سے لانا تھا مگر جو چیز ہو ہی نہیں اس کو کوئی کیا
 لائے اور وہ کہان سے آئے البتہ بہت کوئی چون دھرا کرے تو یہ کہے کہ جسم کا وہ جوا ہوتا تو مسلم پھر بعد از موجود کو تسلیم کیجئے تو وہ بعد از
 اجتماع لازم آجیگا اور امتناع تناظر غلط ہو جائیگا یعنی وجہ نہ کا متخلل اگر متنع ہو تو یہ وجہ سے امتناع ہو کہ متخلل بعد از لازم آتا
 اور نہ بالبدیہ محال ہے کہ جو کہ در صورت فرض بعد از اس کے ایک ٹکڑے کا دخول دوسرے ٹکڑے میں ہو کہ وہ میں نہیں لانا
 خیال نہیں صاحب کے ذہن میں جاگزین ہو سکتا ہے جو وہی ہوتے ہیں اور حقیقت حال کو نہیں سمجھ سکتے کہ وہ بہت احسان
 کو بہت وہم کہ میں تصور نہیں ہو جو نہ کو یقینی باتیں ہی وہی نظر آتی ہیں اور وہی باتیں آگے نہ دیکھتے یعنی بنجانی ہیں اس

یقین کی وجہ یہ ہوئی کہ مصحف فرض بعد مجرور کے خیال میں ہی سما گیا کہ وہ بعد مجتمع ہو جائیگا لہذا معلوم ہوتا کہ جسم قابل اجزاء
 ہے اور اس وجہ سے بعد قبول فعل بعد مجرور نہ ہوتا بلکہ صاف قابلات حقیقت میں اوصاف داخل ہوتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ
 فاعل میں اور وصف تمام مقابل میں اور وصف ہی بلکہ وہی ایک وصف دونوں طرف ایسی طرح منسوب ہوتا ہے جیسے حرکت واحد
 سفینہ اور جاسان سفینہ کی طرف منسوب ہوتی ہے یعنی کشتی بالذات اور وہی واسطہ متحرک ہے اور کشتی نشین بالعرض اور واسطہ کشتی متحرک
 ہوتے ہیں وہی ایک حرکت ایک طرف بالذات ایک طرف بالعرض ایک طرف بواسطہ ایک طرف بالعرض واقع ہوا ہے یہی
 تمام فعل اور قابلات میں ہی کیفیت کے احوال بلکہ جیسا کہ بعد مجرور میں تو بالذات ہے اور جسم میں بالعرض اور جسم ہی واسطہ ہے اور جسم
 بالواسطہ ایک طرف ہے اسکا صمد ہے اور جسم پر اسکا وقوع بعد مجرور اس کے حق میں فاعل یعنی صمد ہے اور جسم اس کے حق میں قابل اس لئے
 اسکو قابل بعد کہتے ہیں بعد مجرور کی طرف اسکی جڑ ہے یعنی اس کے ساتھ قائم ہے اور جسم کے ساتھ فقط اتصال ہے غرض صورت فرض
 بعد مجرور جسم میں دو مجرور کا اجتماع لازم نہ آئیگا ایک ہی بعد رہیگا اور نہ جاسان کشتی کو معرض حرکت مان کر اگر کشتی کو بھی متحرک کریں گے
 تو یہاں بھی دو حرکتوں کا اجتماع لازم آئیگا اور چونکہ یہ دونوں حرکتیں ایک ہی قسم کی ایک ہی سمت میں ایک ہی وقت میں ایک ہی متحرک
 پر عارض ہونگی تو اجتماع للتشلیح لازم آئیگا اور استحالة اجتماع للتشلیح غلط ہو جائیگا اور عرض چجت نوافق کی جہت سے البتہ یہ بات قابل لحاظ
 ہے کہ یہ اس غلطی میں پڑ جائیگی کیا ہوئی اس لئے یہ گذارش ہے کہ اگر کار حکما را شرعیین اور تشکیلیں تو مکان اجسام اس بعد مجرور ہی کو قرار
 دیتے ہیں پر کار حکما را شرعیین اس طرف گئے کہ مکان اجسام وہ سطح حاوی ہے اسجگہ سے ان کے متغیر سمجھ گئے کہ جسم حاوی کی سطح مراد ہے
 اور چونکہ صورت وجود بعد سطح جسم حاوی کا مکان ہوتا تو بغیر نظر مستجبہ نظر آتا ہی ہو نہ وجود بعد ہی ان کے نزدیک صحیح نہیں اس لئے ابھار
 بعد مجرور پر کس پیشے اور فنی سیدی بلین جانی شروع کروں اور یہ سمجھئے کہ اگر بعد نہ ہوگا اور مکان جسم سطح جسم ہوگی تو فوقیت تختیت
 وغیرہ اوصاف جو اجسام کو لاحق ہوتے ہیں بالعرض ہونگے اور پھر ان کے لئے کوئی موصوف بالذات نہ ہوگا اس لئے کہ موصوف بالذات اسکی
 اسکا وصف ممکن لانفصال نہیں ہوتا ہے وجہ یہ کہ خدا کے وجود کو زوال نہیں مان موصوف بالذات اضافی ہوتا تو بمقابلہ اپنے موصوف
 بالعرض کے گن سکوا لہم کہہ سکتے ہیں اسکا وصف اس کے حق میں لازم نہ ہوتا ہے نہیں ہوتا جانا انفصال محال ہو یہی وجہ ہے کہ آئینہ کا نور اور کشتی
 کی حرکت بمقابلہ زمین اور کشتی نشین ممکن لانفصال نہیں یعنی یہ ممکن نہیں کہ اگر زمین اور آئینہ کے درمیان کوئی حجاب آجائے
 کشتی اور کشتی نشین میں علاقہ جلوس نہ رہے تو آئینہ سے نور جدا ہو کر زمین کی طرف سمت جائے یا حرکت کشتی اس شخص میں چلی جائے
 کشتی سے طلوع ہو گیا ہو بلکہ جب ہوتا ہے معاملہ بالعکس ہی ہوتا ہے گو مقابلہ آفتاب آئینہ کا نور اور مقابلہ محركات اصل کشتی وغیرہ کی
 حرکت بیشک ممکن لانفصال ہے چنانچہ صورت وقوع حجاب فیما بین آئینہ و آفتاب اور نیز صورت انقطاع طلوع طلوع تحریک محركات
 کشتی پھر نور آفتاب کی طرف چل دیتا ہے اور حرکت محركات میں رہ جاتی ہے غرض نہ آفتاب کا نور اس سے جدا ہونہ محک اصل یعنی
 مادہ کا تجدد محال حرکت ہے اس سے مفصل یہاں آئینہ جیسے آفتاب کا نور بعد حجاب سے نہ ہوتا ہے مادہ کا تجدد و بوجہ عدم مرادات
 وغیرہ ظہور نہیں کرتا مادہ اگر آفتاب نہ اصل نہیں مادہ محک اصل نہیں تو جسکو نہ اصل محک اصل کہیں گے اس میں

یہ بات ہوگی ورنہ موصوف اصلی سے اگر اسکا وصف منفصل ہو سکے تو خدا کا وجود بھی ممکن بالفصل ہوگا فرض موصوف بالذات خود مقتضی وصف ذاتی ہوتا ہے اسکا وصف اسکے حق میں خالصہ زاد اور اسکا معلول ہوتا ہے اور اسلئے انفصال ممکن نہیں ہوتا اور اوصاف بات بدیہی اور متفق علیہ تمام عقلا اس پر کہ ہر وصف بالعرض یعنی متعار کے لئے وصف ذاتی یعنی خالصہ زاد چاہئے اور کیونکہ ہر مستعیر اور عاریت کے لئے معطلی اور مالک کی ضرورت ہے اس صورت میں اگر مکان جسم سطح جسم حاوی ہوگی تو فوقیت و تحتیت وغیرہ اوصاف اجسام کے لئے جو بلالت انفصال بالیقین بالعرض بین کوئی موصوف بالذات ہوگا کیونکہ جب تمام اجسام قابل الحکمت اور انکے سطوح حرکت و سکون میں انکے تابع اسلئے نہ کیسکی فوقیت لازم ذات ہو سکتی ہے نہ کیسکی تحتیت لازم ذات ہو سکتی ہے جسم فوقانی اگر بوجہ حرکت تحت میں آجائے اور جسم فوقانی تحت میں چلا جائے تو اس صورت میں اجسام اور سطوح دونوں کی فوقیت و تحتیت زائل ہو جائیگی اور دونوں میں سے کیسکی نسبت بھی یہ نہ کہہ سکیں گے کہ یہ موصوف بالذات ہے اور فوقیت و تحتیت اسکے حق میں خالصہ زاد ہیں اور بالذات ہیں اور دوسرے کے حق میں بالعرض اور متعار بلکہ دونوں کے دونوں نسبت فوقیت و تحتیت موصوف بالعرض ہونگے مگر با اینہم اس وصف بالعرض کے لئے کوئی موصوف بالذات ہوگا اور ظاہر ہے کہ اسی طرح بات ایسے ایسے حکما زائد اس سے سزا نہیں ہو سکتے اور نہ ایسی باتیں ایسے عاقلوں کے منہ پر پڑتی ہیں مان اگر سطح حاوی سے سطح بعد حاوی مراد لی جائے تو پھر کوئی خرابی لازم نہیں آتی بلکہ ایسی خوبی نکل آتی ہے جسکے لحاظ سے اس قول کو اگر یوں کہا جائے کہ آب نہایت زشت تو بجا ہے مگر یوں کہئے تو پھر بعد پھر دے بھی بکار نہیں ہو سکتا بلکہ اگر سطح بعد حاوی خود مستلزم اور تابع ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اشراقیین و متکلمین کے طویر پر تو مکان جسم بعد کا اتنا ہی ٹکڑا ہوگا جتنی وہ سمایا ہوا ہو اور شائین کے طویر پر موافق گذارش محقرہ سطح موصوم مکان جسم ہوگی جو بعد محیط یعنی بعد حاوی کے باطن اور متعین میں مطابق شکل اجسام ایک سطح متوہم ہوگی اور ظاہر ہے کہ جیسے بعد پھر واد بعد مذکور کے قطعات کو حرکت ممکن نہیں ایسے ہی انکے سطوح کو بھی حرکت ممکن نہیں اور اسلئے انکی فوقیت و تحتیت وغیرہ اوصاف عدم بحال خود ہوتے ہیں اور کبھی کسی سطح انکے منفصل نہیں ہو سکتے مگر ہر جہاں ادا ان سطوح کا قدر خود مستلزم اور بعد ہی فرق ہوگا تو اتنا ہوگا کہ بعد او قطعات بعد قابل انقسام ہیں چنانچہ ظاہر ہے اور اسوجہ سے اوصاف جو کسی طرح نہ بالذات متقسم ہو سکیں نہ بالعرض انکو لاحق نہیں ہو سکتے کیونکہ اس صورت میں ان اوصاف کا انقسام بہ تبعیت انقسام بعد بالعرض لازم آئے گا اور اشکال متعین بعد حاوی جسکو سطح بعد حاوی بھی کہہ سکتے ہیں چونکہ قابل انقسام نہیں اوصاف مذکورہ انکو لاحق ہو سکتے ہیں وجہ عدم انقسام اشکال تو یہ ہے کہ اگر کسی شکل کو توڑ دیتے ہیں تو پھر وہ شکل باقی نہیں رہتی اجزاء حاصلہ پر اطلاق شکل درست نہیں ہوتا دائرہ کے دو ٹکڑے کرو تو پھر دائرہ نہیں رہتا دو قوسیں ہو جاتی ہیں اگر انقسام ہوتا تو شکل اول کا اطلاق اسپر باضرورت ہوتا کیونکہ انقسام پر صدق مقسم ضروری ہے اور اصل سطوح باطن بعد حاوی چونکہ انقسام اشکال میں چنانچہ مطابق اشکال اجسام ہونا اسپر شاہد ہے قابل انقسام نہیں اور صرفیت و تحتیت وغیرہ جو بالاتفاق مکان کے اوصاف ذاتی ہیں اور اجسام کے حق میں بالبداہتہ بالعرض منجملہ اضافیات چنانچہ ظاہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اضافیات انقسم نسبت ہوتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نسبت کسی طرح قابل تقسم نہیں نہ بالذات نہ بالعرض

و برودت و غیر و با عرض جالتج یہی وجہ ہے کہ جملہ کی نسبت کا انقسام ممکن نہ ہو و نہ ایک جملہ میں متعدد نسبتیں بھی ہوتیں اس لحاظ سے ان حکما نے خود کو مکان نہ کہا بعد کی سطح مذکور کو مکان کہا اگر ان کے توابع سے انکا مطلب نہ سمجھا دے اپنے انکا بعد سوائے جس کے مشابہت کے نہ ہر کامہ خلک ارا کہ کیا کہتے یہ نہ سمجھے کہ انکا مطلب کچھ اور ہے اور وہ نہایت عجیب و غریب ہے چونکہ انکا نہ ہر ہو سکتا ہے کیونکہ وہاں صحت میں وہ اقراض واقع ہو سکتا ہے جو سطح جسم حادی کے مکان ہونے پر واقع ہوتا تھا یعنی فوقیت و تحتیت کے لئے اس صورت میں موصوف بالذات اتہا آجائگا اور نہ اس صورت میں فلک الافلاک کو مستثنیٰ کرنا پڑیگا کہ اسکے لئے مکان اور حرکت کافی نہیں مالا کہ مکان حرکت مکانی عقل سلیم ہو تو مثل اجسام دیگر اس میں بھی موجود ہے خواصک حسب یلحاظ کیا جائے کہ بعضہ و غیرہ ہوتا ہے اور فلک الافلاک سے آگے موجود ہے چنانچہ انشاء اللہ عنقریب واضح ہو جائیگا کہ یہ بیات کہ اگر بعد ہوگا تو غیر متناہی ہی ہوگا نہ ہو کہ لئے ایک اور بعد ماننا پڑیگا جسکا اعتبار سے یہ کہہ سکیں کہ یہاں تک حد ہو کہ یہاں وہاں وغیرہ ظرف مکانی کا اشارہ اس صورت میں جو بعد مذکور کی طرف ہوتا ہو ہی نہیں سکتا و نہ خود ہی ظرف خود ہی مظلوف ہوگا اسلئے اور ہی بعد اس بعد مجرور کے لئے ماننا پڑیگا اور پھر اس دوسرے بعد میں بھی یہی گفتگو کیجاو گی انجا سکا تسلسل یا بعد ماننا پڑیگا یا اسکی یا کسی اور بعد کی لاتنا ہی کا اقرار کرنا پڑیگا مگر تسلسل اور بعد بھی محال اور لاتنا ہی بھی محال اسلئے یہی بہتر ہے کہ عقلاً بعدی سے بلائیے اسکا جواب یہ ہے کہ تسلسل یا بعد کے محال جو نہیں تو کچھ تامل نہیں عقل سلیم بالبداہتہ انکے استحالة پر گماہ ہو کہ چونکہ حاصل و دور و تسلسل یہ ہوتا ہے کہ وصف بالعرض کے لئے کوئی موصوف بالذات نہیں اور اسکا حاصل یہ ہوتا ہے کہ وصف بالوسطی پر وسطہ نہیں یا یوں کہیے عطا غیر ہی پر غیر نہیں اتنا فرق ہے کہ تسلسل میں یہ ہوتا ہے کہ یہ وصف یہاں مثلاً وہاں سے آیا اور وہاں دوسری جگہ سے آیا اور پھر وہاں بھی کہیں اور ہی سے آیا ہو اسبطح الی غیر لاتنا ہے چلے چلو اور وہاں میں یہ ہوتا ہے کہ جس وصف کو اصل ایک جگہ کہیے اور اسے مستعار بنائے وہاں اسی وصف کو یہاں مستعار کہیے مثلاً یوں کہیے کہ آب گرم میں حرارت آتش کا فیض ہے اور آتش میں آب گرم کا فیض ہے یا ایک دو یا زیادہ واسطے جو کہ کر کے پھر اسبطح آئے چلے مثلاً یوں کہیے کہ آب گرم میں عطا آتش ہے اور پھر میں عطا آب اور وہ ہے میں عطا رنگ اور آتش میں عطا آہن الحاصل تسلسل ہو یا بعد دونوں صورتوں میں یہی ہوتا ہے کہ وصف بالعرض اور بالوسطی اور عطا غیر ہوتا ہے کیسی بالذات اصلی اور وسطہ حقیقی اور اس عطا یا نہیں ملتا جس سے یہ سلسلہ عطا اور ظاہر ہو کہ یہ صورت بالبداہتہ محال ہے اور کیوں نہ ہو عطا غیر اور بالوسطی اور بالعرض کہا تو اسوقت اس غیر اور اس وسطہ اور کسی موصوف بالذات کا اقرار کرنا پھر چاہے تسلسل اور بعد کا اقرار کیا تو ان سب سے انکا کہ یا اور اجملع التقیضین کا اقرار کر لیا انعرض و دور و تسلسل تو بالضرر محال تعلق نظر تسلسل سے لاتنا ہی کا بطلان انہیں صاحبو کے خیال میں آسکتا ہے چونکہ خیال میں اصل حال نہیں آسکتا و نہ جنگ و ضد اور نہ عالم نے فہم ساعطا کیا ہو انگو بیات بالبداہتہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر متناہی کے لئے ایک غیر متناہی چاہیے وجہ اسکی بالا جمال تو پہلے عرض کر چکا ہوں اب یہ قدر تفصیل کے ساتھ عرض کرتا ہوں سنئے جس بار پر تنقید کے لئے مطلق کی ضرورت ہے ہی بنا پر متناہی کو غیر متناہی کی ملکہ اگر تنقید کو مطلق کی اسلئے ضرورت ہے کہ تنقید ایک قطع کا نام ہے اور قطع کے لئے اصل کوئی چیز درج چاہیے جس میں سے بعد رقبہ

قطع کر لیجئے تو متناسی میں بھی یہی قطع ہوتی ہے اس کے لئے یہی غیر متناسی کا ہونا ضرور ہوگا علاوہ برین متناسی کے معنی یہی
 ہیں کہ یہ چیز قطعی ہو اور یہاں تک ہے اور اس سے آگے اور اس سے زیادہ نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کہنا کہ آگے نہیں اور زیادہ نہیں درپور ہونا
 متناسی ہوگا گوئی چیز کسی ہو جس کو آگے اور زیادہ کہتے ہیں اور چونکہ یہ بات بہر متناسی میں ہوکتا ہی ہوا کیوں نہ ہو اور کہتا ہی زیادہ کیوں
 نہ ہو نیز کہین تجویز خواہ مخواہ ایک غیر متناسی ماننا پڑیگا ان اگر کسی متناسی میں یوں نہ کہہ سکتے تو پھر اور متناسیوں کے لئے وہ متناسی
 اس قبل کا صحیح ہو سکتا اور اس لئے خواہ مخواہ متناسی کے لئے غیر متناسی ضرور ہوتا اور یہی بات ہے کہ بعد استماع سوا غبی یا کچھ فہم کوئی
 اس کے لئے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ متناسی و لائنیں کے استماع کے بعد مخالف دلائل البطلان لاتنا ہی ایسی ہو جیسے بعد مشاہدہ طلوع و
 غروب گھڑی دیکھنے وغیرہ آلات حساب اوقات کی مخالفت جیسے بعد مشاہدہ چشم گھڑی وغیرہ کی مخالفت قابل اعتبار نہیں ہوتی ایسی
 مضامین لائنیں کے بعد دلائل کی مخالفت قابل اعتبار نہیں ہوتی غرض بالافانی شہادت سے مضامین اولیہ اور یقینہ میں تامل
 نہیں ہو سکتا اور اس لئے اسکی ضرورت نہیں کہ دلائل البطلان لاتنا ہی کو باطل کیجے پر غرض مزید توضیح وہ بائیں بھی عرض کیے دیتا ہوں
 جس سے دلائل البطلان کا اثر منہ مضابطہ ہونا ثابت ہو جائے اور بالافانی شہدی بھی دے جائیں اس لئے یہ عرض ہے کہ دلائل البطلان لاتنا ہی کا حال
 کچھ نہ ہو جیسے غیر متناسی میں خواہ متناسی تجویز کر کے غیر متناسی کو باطل کیا جاتا ہو اگر فہم خدا داد ہو تو یہ معلوم ہو جائے کہ ان دلائل
 سے اگر باطل ہوتا ہو تو متناسی کا غیر متناسی ہونا باطل نہیں ہوتا برائن تطبیق اور برائن مسامتت میں تو غیر متناسی کے لئے
 حرکت تجویز کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ حرکت منجملہ خواہ متناسی ہو جب لاتنا ہی میں کسی طرف کو حرکت ممکن نہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ
 اگر کسی چیز کو حرکت عارض ہوگی تو باضر و ایک سبباً حرکت ہوگا اور ایک منتہی اور ظاہر ہے کہ سبباً اور منتہی بے متناسی متصور نہیں
 القصہ حرکت خود خواہ متناسی میں سے ہو غیر متناسی میں حرکت متصور نہیں ان یہ شہدہ ہو سکتا ہے کہ غیر متناسی کی حرکت اگر محال
 ہوگی تو لاتنا ہی کی سمت میں یا اس کے مقابل میں محال ہوگی سدا میں بائیں کو تو اس تقریر کے موافق محال نہ ہوگی کیونکہ سطوت لاتنا
 ہی نہیں جو سبباً و منتہی کا ہونا محال ہو اور ظاہر ہے برائن مسامتت میں یہی صورت ہے مگر اس شہدہ کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس
 صورت میں بھی بنظر انصاف وہی خرابی موجود ہے کیونکہ جب ایک نقطہ کا متعین ہو جائے اسکی ہر سمت کو طرف سے متناسی بنادیتا
 ہے علاوہ برین نمانہ اور حرکت اور سافت باہم مطابق یکدیگر ہوتی ہیں مسافت مثل نزویہ غیر متناسی الساقین ایک طرف سے
 غیر متناسی اور ایک طرف سے متناسی بطور تثلیث ہوگی تو حرکت اور زمانہ میں بھی تثلیث ہوگی اور ایک طرف سے متناسی اور لاتنا ہی
 انہیں بھی ہوگی اور اس لئے قطع جانب لاتنا ہی زمانہ کی لاتنا ہی کی جانب میں لازم آئے گا یہ ہوگا کہ مسافت غیر متناسی زمانہ متناسی
 میں قطع کی گئی جو کچھ خرابی لازم آتی باقی رہا یہ خیال کہ زمانہ کی کل دو طرفین ہیں ماضی و مستقبل تثلیث وغیرہ تقطیعات موجب
 متصور ہوں جبکہ اور جہات بھی ہوں گو یہ خیال باعتبار آمد و شد زمانہ درست کیونکہ اس اعتبار سے وہ منجملہ حرکات ہوگا چنانچہ اسکی
 تحقیق بعد ضرورت افشاء آمد آگے آتی ہے اور ظاہر ہے کہ حرکات کے لئے باعتبار آمد و شد یہی دو جہتیں ہوتی ہیں جسکو جہت
 سبباً و منتہی کہتے ہیں اور اس حرکت ہی کے لحاظ سے مسافت میں بھی انہیں دو جہتوں میں انحصار ہوتا ہے مگر اس آمد و شد

سبب ذہنی کا لحاظ لیجیے تو مسافت تو درکنار خود حرکت میں بھی اور جہتیں نکل آتی ہیں چنانچہ کرہ کی حرکت ضمنی کو دیکھیے تو ظاہر ہے کہ مسافت بلکہ متحرک کے ہر جز میں حرکت موجود ہے کہ بعد انقسام سوائے طول حرکت اسی اطراف میں ہے سو یہی حال زمانہ کا سمجھئے آخر وہ بھی منجملہ حرکات ہے یا نہ ہر جزو ایک ایسی چیز ہے کہ اگر متناہی بھی ہو تب بھی نہیں حرکت کی کوئی صورت نہیں وہ طرف حرکت ہے اگر خود اسکو متحرک کہیے تو اس کے لئے کوئی اور طرف حرکت کہیں سے لانا پڑیگا جسکا انہم یہ ہوگا کہ بعد کے لئے اور دوسرے بعد کے اور پھر اس بعد میں بھی یہی گفتگو ہوگی رہا برائے سلی نہیں بھی یہی دھوکا اور غلطی ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ انحصار میں انحصار میں انحصار خواہ متناہی میں سے ہو مگر کسی زیادہ کی دونوں ساقوں کو اگر الی غیر النہایت بڑاتے چلے جائیں تو ان کے درمیان کا فاصلہ اگر غیر متناہی نہ ہو تو وہ دونوں متناہی ہو جائیں غیر متناہی نہیں کہہ سکتے اس صورت میں اس فاصلہ کی دونوں سرور دونوں ساقوں کا انتہا ہو جائیگا محال دونوں ضلع اگر متناہی ہونگے تو بیچ کا فاصلہ بھی متناہی ہوگا اور دونوں غیر متناہی ہونگے تو بیچ کا فاصلہ بھی غیر متناہی ہوگا متناہی نہ ہوگا علی الاطلاق یوں نہیں کہ بیچ میں جو چیز ہوگی وہ متناہی ہوگی جن صاحبوں کو یہ شبہ پڑا ہے ان کے ذہن میں وہی ایک صورت انحصار میں المتناہی میں کی جی ہوتی ہے اور اس لئے انحصار میں المتناہی میں کا تصور اگر انکو ہوتا ہے تو اسی پیرا دل میں ہوتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ احاطہ غیر متناہی تو بوجہ لاتناہی ذہن سے ممکن نہیں اور انحصار میں المتناہی میں بڑا مشہور ہوتا ہے سو جب یہ خدا کو تصور کرتے ہیں تو اپنے محسوسات ہی کے پیرایہ میں اسکا تصور آتا ہے ایسا ہی انحصار میں غیر المتناہی کا تصور آتا ہے تو انحصار میں المتناہی میں ہی کے تصور میں آتا ہے مگر جب انکے نزدیک انحصار اسی ایک انحصار میں منحصر ہے تو پھر انکی تسلی کی یہی صورت ہے کہ یوں کہیے غیر متناہی ہونگے بیچ میں انحصار ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ انحصار توجیب تحقق ہو جب کوئی استدعا تصور میں آئے اور اسکی دو نہایتیں اسطر پر سمجھ میں آئیں کہ ایک طرف ایک چیز کی ہوئی ہو اور ایک طرف ایک مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ دونوں بھی اس رکاوٹ اور رک کی حد تک متناہی ہی ہونگی انحصار انحصار کا نام ہے اور یہ بات اس صورت میں پائی ہی نہیں جاتی جس صورت میں دونوں طرفین غیر متناہی ہوں علی ہذا القیاس اور پیرایہ میں بطلال لاتناہی کو خیال فرمائیے نہیں بھی اسی قسم کا دھوکہ ہوا ہے علاوہ برین مفہوم لاتناہی اگر بذات خود عند العقل باطل ہے تب تو کوئی لاتناہی بھی صحیح نہیں ہو سکتی نہ سطوات خداوندی غیر متناہی نہیں نہ مقدرات خداوندی اور ممکنات غیر متناہی ممکن نہ اعداؤ کا سلسلہ الی غیر النہایت چل سکے نہ زمانہ کی چال الی غیر النہایت ہو سکے کیونکہ زمانہ اور اعداؤ کی لاتناہی کے لئے بھی کوئی غیر متناہی باطل چاہیے جسکے اعتبار سے مفہوم لائق عند صحیح ہو سکے آخر چال لائق عند تو یہی ہے کہ حرکت زمانہ یا حرکت اعتبار عقل اعداؤ کا کوئی انتہا نہیں ہوگا حرکت الی غیر النہایت بے مسافت غیر متناہی ہے موجود بالفعل متصور نہیں بالجملہ یہ سب لاتناہی یا مسلم ہیں اور ان سب میں غیر متناہی بالفعل ماننا پڑتا ہے اس صورت میں اگر نفس مفہوم لاتناہی کو باطل کہیے تب تو یہ سب قہقہے غلط ہو جائیں اور اگر نفس لاتناہی باطل نہیں یعنی امتناع ذاتی نہیں امتناع بالذات تو اسکا ان لاتناہی پہلے مسلم ہوگا کیونکہ امتناع بالذات میں امتناع بذات خود ممکن ہوتا ہے اور وہ غیر متنع بالذات اس کے اقتراں سے اس ممکن بالذات میں امتناع ایسی طرح آجاتا ہے جیسے

آفتاب زمین میں نور اور آتش سے آب گرم میں حرارت جیسے زمین بذات خود ظلمانی اور آفتاب بذات خود یعنی بوساطہ غیر نورانی ہے یا آب بذات خود سرد اور آتش بذات خود یعنی بوساطہ غیر گرم اور پھر آفتاب سے زمین میں نور اور آتش سے آب میں حرارت جاتی ہے ایسے ہی متنوع بالذات تو بذات خود متنوع اور ممکن بالذات بذات خود ممکن بالذات کا امتناع اس ممکن بالذات میں آتا تاہی برعکس زمین کی ظلمت آفتاب میں اور پانی کی سردی آتش میں نہیں جاتی ایسے ہی ممکن کا امکان متنوع میں نہیں جاتا اور وہ اسکی ہی ہو کہ موصوف بالذات میں وصف ہوتا ہو اور مقابل میں وصف نہیں ہوتا بلکہ عدم الوصف ہوتا ہو ایسے اسکا نام قابل ہوا یعنی اپنے اندر وصف نہ تھا تو اور نہ اسکا وصف قبول کیا اور لیا نہ نہ استغناء ہوتا اور قبول میں باجماع المشملین للذم آنا غرض امکان میں غایت ہی وصف وجوب لقتل کو وہ قبول کر لیتا ہو اور یہی کل دو وصف میں لگے سو واجب ہے وہ نہیں کے نیچے داخل ہو اور اپنے اندر ممکن کے حساب سے یہ دونوں نہیں ہوتے بلکہ اگر لاتناہی بذات خود ممکن ہے تو کسی متنوع بالذات کے اقتران سے آسین لقتل آجاتا ہے تو یہ بات ہمارے دعا کے مخالف نہیں مان موافق ہو ہم بھی یوں کہتے ہیں کہ العباد متحرک یا قابل الحركہ غیر متناہی نہیں ہو سکتے کیونکہ حرکت غیر متناہی جہت لاتناہی میں باللاتناہی کی طرف سے متنوع بالذات سے چنانچہ پہلے معلوم ہو چکا اسی متنوع بالذات نے اجسام مکدرہ کی لاتناہی کو متنوع بنا دیا ہو نہ نفس لاتناہی متنوع نہیں ممکن ہو مگر بعد بحدود میں حرکت کو دخل ہی نہیں چنانچہ اور عرض کر چکا ہوں ایسے لاتناہی کا امتناع بعد بحدود میں ممکن نہیں الحاصل نہ بعد بحدود متنوع ہو نہ اسکی لاتناہی متنوع ہو وہ بھی ممکن بلکہ یقینی اور اسکی لاتناہی بھی ممکن بلکہ ضروری ہو نہ حسب بیان سابق اسکی اور کوئی اور غیر متناہی ملنا پڑیگا جسکے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہاں تک کہ اس سے آگے نہیں اور چونکہ بیان وہاں آگے پیچھے وغیرہ مضامین اشارات اور مفہومات بعد میں تو بعد کے لئے اور بعد لازم آئیگا اور یہ بات ایسی ہی کلمتی غافل اسکو تسلیم نہیں کر سکتا اینہما اس صحت میں بعد متحرک یا قابل الحركہ کہنا پڑیگا اور یہ بابت امتناع حرکت غلط ہو جائیگی مگر کون نہیں جانتا کہ بعد بحدود میں حرکت ممکن نہیں اور ایسیلئے نہیں خرق والتیام تصور نہیں مگر حسب خرق والتیام اور حرکت نہیں تو اسکے لئے بعد بھی نہیں اور دوسرا بعد نہیں تو پھر وہ غیر متناہی بھی ضروری ہو گا یہی وجہ ہے کہ اجسام کو تصور کیجیے تو کوئی ٹکڑی حذف ہر میں ساتھ آتی ہو بعد کو تصور کیجیے تو اگر حد بھی لگا دیں تب بھی زمین آگے چلتا ہو اور پابند حد نہیں رہتا یہ قصہ تو ہو چکا اب باوجود فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسبت خانہ کعبہ اسکی طرف انکے سجدہ کی وجہ بھی بیان کر دیجیے سنیے وزیر اعظم سے بڑھ کر کسیکا رتبہ نہیں ہوتا مگر رتبہ شاہی اگر اسکے رتبہ کو کہیے تو کیا ہو مگر با اینہما اسکی آستانہ بوسی سے کوئی یوں نہیں سمجھتا کہ بعد رتبہ شاہی آستانہ ہو رتبہ وزیر اس سے کم ہو جو بات آستانہ بوسی وزیر میں جوتی ہو وہی بات سجدہ محمدی میں ہو حضرت محمد عربیؐ بہتر وزیر اعظم ہیں اور خانہ کعبہ بستر آستانہ شاہی اور کیوں نہ ہو یہ بیت اللہ ہو تو وہ حبیب اللہ اور بیت المقدس میں جوتے فرق ہونا چاہیے وہ خود ظاہر ہے بلکہ بعد بحدود میں معلوم ہوتا ہو کہ ماہ الاقتران کعبہ کو جسکو اپنی اصطلاح میں حقیقت کعبہ کہیے ماہ الاقتران محمدی کا ظل اور پرتو ہے تفصیل اس مجال کی یہ ہے کہ جو فرق قلب مقلوب میں ہوتا ہو وہی فرق عباد بعد بحدود میں ہو اور جو اتحاد ملان ہوتا ہو وہی اتحاد یہاں ہوتا ہو الغرض ماغیرہم انقلاب جو قیام میں قلب مقلوب ہونا چاہیے اس بات کو متفطنی ہو کہ صورت تدریج کی ایک ہو

پروان اتحاد ہو تو بیان گہرا ہو اس انعکاس کے باعث کہ باوجود اتحاد صورت و مان اجماع ہے تو بیان گہرا ہو ایک کو قالب اور
دوسرے کو مقلوب کہتے ہیں اگر یہ انقلاب اور انعکاس نہ ہوتا تو یہ نام بھی نہ ہوتا مگر یہی انعکاس اور انقلاب بیان موجود ہے تفصیل اسکی
یہ ہے کہ تعبد ذلل کو کہتے ہیں عبد کی جانب سے تذلل ہوتا ہے اسلئے اسکو عبد کہتے ہیں اور چونکہ معبود کے لئے تعظیم ہوتی ہے اور اس کے
سامنے ہوتا ہے تو اسکو معبود کہتے ہیں مگر بنا اس تذلل کی یہ ہوتی ہے کہ عبد کی جانب احتیاج اور معبود کی جانب استغناء ہوتا ہے اور احتیاج
کی بنا عدم پر ہوتا ہے اسلئے اس فرق استغناء اور احتیاج کا مکمل یہ ہوگا کہ جو بیان نہیں وہ دہان ہے اور جو دہان ہے بیان نہیں اگر ہے تو
اسکے مقابل کوئی مفہوم عدی ہو مثلاً دہان وجود ہے تو بیان عدم ہو دہان علم ہے تو بیان جہل ہو دہان قدرت ہے تو بیان عجز ہے علم ہوا
القیاس اور صفات کو خیال فرمایا جیسے مگر جیسے بعد لحاظ قابلیت جہل عدم العلم کو کہتے ہیں اور عجز عدم القدرت کو تو حاصل ہوا یہ ہوگا کہ علم
اور جہل اور قدرت اور عجز وغیرہ متقابلات ایک شکل پر ہیں فقط فرق وجود و عدم ہے یعنی جب جہل کی جانب اور عجز کی طرف قابلیت شرط
ہوتی اور عجز عدم العلم اور عدم القدرت ہوا تو پھر عجز اسکے اور کیا صورت ہوگی کہ صورت تو وہی ہے پر علم اور قدرت کی طرف جوت شکل پھر
اور جہل اور عجز کی طرف جوت شکل اور شکم صورت خالی ہے اور اسوجہ سے اسکو قابل کہتے ہیں کیونکہ قبول کے لئے یہ ضرور ہے کہ کسی شے کی
شکل و صورت ہو اور پھر وہ چیز نہ ہو تو یہ قصہ بعینہ یسا ہے جیسا قالب مقلوب میں ہوتا ہے قالب میں صورت ہوتی ہے تو صورت نہیں
ہوتا مگر جیسے ہر مقلوب اپنے قالب میں آسکتا ہے ایسے ہی علم اپنی ہی صورت میں آسکتا اور قدرت اپنی ہی صورت میں اور اسلئے ہون
کہ بنا پڑیگا کہ صورت اسکے لئے قابل ہے اور وہ اسکے لئے قابل ہو الحاصل متقابلات مذکورہ میں باوجود اتحاد شکل فرق وجود و عدم ہوتا
ہو یہی قالب اور مقلوب میں ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے مقلوب کی جانب شکم صورت شکل پر ہوتا ہے اور قالب کی جانب جوت یعنی شکم صورت خالی
اسلئے خواہ مخواہ اس بات کا تسلیم کرنا پڑیگا کہ عبد اور معبود میں اسی قسم کا اتحاد ہے جو قالب اور مقلوب میں ہوتا ہے اور اسی قسم کا فرق ہے جس قسم کا
فرق قالب اور مقلوب میں ہوتا ہے مگر وہ اتحاد تو اتحاد شکل و صورت ہے اور وہ فرق تو شکل و صورت کے وجود و عدم کا فرق ہے ایسے عبد
کامل کو یہ ضرور ہے کہ معبود کی شکل کامل رکھتا ہو اور عبادت اس کو یہ لازم ہے کہ وہ شکل اس میں ناقص ہو اگر کوئی قالب پورا ہے تو اس میں شکل
مقلوب بھی کامل ہے اور قالب ناقص ہے کسی طرف سے ٹوٹا پھوٹا ہے تو شکل مقلوب بھی اس صورت میں ناقص ہوگی
پھر جب معبودیت کے ان دونوں مرتبوں کو یاد کیا طے ہے جن میں سے ایک کا نام مرتبہ محبوبیت ہے جسے لکھتا تھا اور ایک کا نام مرتبہ حکومت
اور اسکے ساتھ یہ بھی یاد کیجئے کہ اول مرتبہ میں اول ہے اور عدم اس سے مرتبہ میں دوم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمقابلہ مرتبہ اول
عبد کامل میں تو پھر یہ بات خواہ دشمن ہو جائیگی کہ حقیقت محمدی وہ شکل مرتبہ محبوبیت پر ہے جیسے طور پر جیسے قالب کی شکل ہوا
کرتی ہے جب یہ بات دشمن نشین ہو چکی تو اب یہ گزارش ہے کہ خانہ کعبہ کو اگر بیت اللہ کہتے ہیں تو باین نظر کہتے ہیں کہ وہ تجلی گاہ مرتبہ
محبوبیت ہے اور اسلئے شرف کعبہ وہ شکل ہوگی جو باعتبار انعکاس اسکے باطن میں مطابق شکل مرتبہ محبوبیت پیدا ہوگی اور اسوجہ
سے شکل باطن کعبہ کو مرتبہ عکس مذکورہ کے ساتھ وہی نسبت فیما بین قالب و مقلوب ہوگی اور اس لحاظ سے خانہ کعبہ کا بیت اللہ
ہونا اسی اعتبار سے ہوگا کہ اسکی شکل باطن عکس مذکورہ کو محیط ہے اور عکس مذکورہ کے حق میں بتسلط طرف سے یعنی وظرفیت اور

احاطہ جو نسبت میں ہونا چاہیے بیت اللہ میں بطور مذکور ہے غرض حقیقت بیت اللہ یا یون کہیے حقیقت کعبہ وہ مثل باطن ہے جو نسبت عکس تجلی اول بہترہ غالب ہے کیونکہ خانہ کعبہ کا سجود ایہ ہونا یا بیت اللہ ہونا اسی صورت کے اعتبار سے ہو مگر اس صورت میں جیسے عکس واقع فی الکعبہ پر توہ تجلی اول ہو شکل محیط عکس جیسے صدق بیت اللہ پر توہ شکل محیط تجلی اول ہی ہو گا لیکن اسکا حال معلوم ہو چکا کہ وہ حقیقت عبد کمال ہو مگر صدق عبد کمال پہلے معلوم ہو چکا ہو کہ وہ ذات حمیدہ صفات حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور اسلئے اس کا تسلیم کرنا لایہی ہو کہ حقیقت کعبہ پر توہ حقیقت محمدی ہو اور اسوجہ سے اعتقاد فضیلت حقیقت محمدی بہ نسبت حقیقت کعبہ ضروری ہو باقی را استقبال ہر چند اسکا جواب ظاہر ہو جو دفع استبعاد کے لئے کافی ہو عرض کر چکا ہوں یعنی ایسے جیسے آستانہ بوسی نہ بہ منزلت فضیلت آستانہ نبین ایسے ہی استقبال کعبہ مستلزم فضیلت کعبہ نہیں ہو سکتا حقیقتہ الحال یہ ہو کہ وہ حقیقت استقبال کعبہ حقیقت کعبہ نہیں ہوتا بلکہ وقت عبادت جسمانی بضرورت حضور جسکی ضرورت اول معلوم ہو چکی ہے استقبال عکس کی اسلئے ضرورت پڑتی ہو کہ مرتبہ تجلی اول و ثانی حضور جسمانی کے قابل نہیں اور عکس مہمت مذکورہ جلا حق حضور جسمانی میں بطور معرض میں مرتبہ تجلی مذکور میں اس صورت میں حقیقت میں استقبال عکس مذکور جو بہترہ قلوب پر منظور ہوتا ہو اور بضرورت مجبوری استقبال حقیقت کعبہ جو بہترہ غالب ہے لازم آتا ہو مگر یہ ہو تو پھر بوجہ استقبال خیال فضیلت کعبہ فقط وہم ہی وہم ہے اب یہ بات باقی رہی کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام تو باوجود مفضولیت مسجود میں اور حضرت خاتم باوجود فضیلت مسجود نہیں اسکے کیا معنی علاوہ ہرین اگر سجدہ غیر خدا شرک ہے تو یوں کہ ہذا کی اجازت سے حسب ایت قرآنی یہ شرک ہو اگر تمجید ہے کہ باوجود اس اجازت کے حضرت خاتم کے لئے اجازت نہ ہوئی اور اگر یہ شرک نہیں تو پھر وجہ مانعت کیا ہو جو اہل اسلام سجدہ غیر کو رد نہیں رکھتے اور اور دن پر اسوجہ سے طعن کرتے ہیں اس معاملے حل کے لئے اول دو میں باتیں عرض کرنا ہوں اسکے بعد مطلب اصلی عرض کر دینگا اول تو یہ گذارش ہو کہ اطباء یونان باہم اصول طب میں متفق ہیں اور ڈاکٹر ان انگریزی اصول ڈاکٹر سی میں متفق ہیں مگر باہم اختلاف اشخاص اور اختلاف امراض اور اختلاف امان کے باعث اصدا صراختلاف رائے کی وجہ سے تجویز نسخہ میں کس قدر اختلاف پڑ جاتا ہو سو انبیا کرام اور علمائے فذوی الاحکام جو اطباء روحانی سمجھتے ہیں باوجود اتفاق عقائد و ضروریات دین جو اس طب روحانی کے اصول میں اگر احکام دینی میں ہو اور یہ اور نسخجات طب روحانی ہیں بوجہ اختلاف اہم اور اختلاف فراہم سے دینی اور اختلاف زیادہ اور نیز بوجہ اختلاف آرا باہم مختلف ہو جائز باہم مختلف ہو جائیں تو کچھ وہ نہیں انصاف جیسے بوجہ فرق انرجہ مرضیان باجمعا اتحاد مرض دوا میں فرق کیا جاتا ہو ایسا ہی بوجہ فرق انرجہ اہم باوجود اتحاد ضرورت احکام دینی میں فرق کیا جائیگا اور جیسے بوجہ فرق رسوم ایک مریض کو ایک ہی مرض میں کبھی کچھ بتلاتے ہیں کبھی ایسے ہی بوجہ اختلاف تشدد و عدم تشدد رسوم جاہلیت احکام دینی میں کمی بیشی اور تغیر و تبدل را کرتی ہو اور جیسے بوجہ اختلاف امراض یہاں نسخوں میں فرق ہوا کرتا ہو ایسے ہی دامن بھی بوجہ اختلاف رسوم جاہلیت احکام دینی میں فرق ہو گا اور ان سب سے علاوہ جیسے بوجہ اختلاف شخص اور کمی بیشی دھاندیشی یا بوجہ اختلاف فہم مطالب علم طب اہم نسخوں میں فرق ہوتا ہو ایسے ہی احکام دینی میں بوجہ کمی بیشی دھاندیشی تو انبیا میں اصدا بوجہ مذکور اور نیز بوجہ دیگر علما

میں اختلاف ہو جاتا ہے لیکن باعث دہاندیشی بیشتر تجربہ ہو کر تاہی اسلئے پچھلے انبیاء اور پچھلے علماء نسبت سابقین زیادہ دوراندیش ہو کر تھے مہین علماء کی نسبت تو یہ بات ہر کوئی تسلیم کر سکتا ہے پر انبیاء کی نسبت شاید اس خیال کو ایک خیال غلط سمجھیں اسلئے یہ عرض ہو کہ جب باوجود کم فہمی امت عمل کے واسطے فقط بیان کلیات اور احکام کافی ہو یہ نہیں کہ ہر عمل کے وقت انبیاء کرام تعلیم کے لئے آیا کریں تو انبیاء کرام تو بڑے ہی علی فہم ہوتے ہیں انکے واسطے یہ بات کیونکر کافی نہ ہوگی مگر جیسے باوجود ظہور آفتاب بوجہ تفاوت البصائر آفتاب کے دیدار میں تفاوت رہتا ہے ایسے ہی باوجود وضوح بیلین خداوندی و کفایت تصدیق ہر اسکے سمجھنے میں فرق ہوتا ہے البتہ جیسے باوجود فرق اداک آفتاب پھر ہر کسی کو آفتاب ہی کی صورت نظر آتی ہے یہ نہیں کہ کسی کو آفتاب نظر آئے اور کسی کو کچھ اور ایسے ہی باوجود تفاوت فہم پھر ہر کسی کو خدا ہی کا مطلب سمجھ میں آئیگا یہ نہیں کہ کوئی نبی مطلب اصل سمجھے اور کوئی کچھ اور تعرض وجہ استبعاد مذکور فقط یہ تھی کہ انبیاء کی طرف احتمال غلط فہمی دربارہ اشادات خداوندی نہیں ہو سکتا ورنہ راہ حق معلوم ہونے کی پھر کوئی سبیل نہیں اور اس تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ باوجود تفاوت معلوم غلط فہمی نہیں ہوتی پھر کیا استبعاد اور کیا تامل را جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو اب دوسرا مقدمہ عرض کرنا ہوں کسی شے کا ظہور دوسری شے میں دو طرح متصور ہے ایک تو یہ کہ شے اول کی صورت دوسری شے میں منعکس معلوم ہو جیسے آئینہ میں ہوا کرتا ہے دوسرے یہ کہ ایک شے کا وصف دوسری شے میں آجادی جیسے آفتاب کا نور چاند میں کوکب میں خرات میں زمین و آسمان میں آجاتا ہے یا جیسے آتش کی حرارت پانی میں ہوتا ہے کھانے میں پیئے میں آجاتی ہے قسم اول کو ہم اپنی اصطلاح میں ظہور جمال کہتے ہیں اور قسم ثانی کو ظہور کمال مگر یہ بات ملحوظ خاطر ناظرین اور اوراق ہے کہ قسم اول میں فقط صورت کا ہونا چاہیے وہ صورت اچھی ہو یا بری اور قسم ثانی میں وصف کا ہونا چاہیے وہ وصف اچھا ہو یا بری اسو غرض لفظ جمال کمال کو دیکھ کر کوئی صاحب دھوکا نہ کھائے اصطلاح میں معنی لغوی یا عرفی کی پابندی ضرور نہیں گوارا بحث میں معنی عرفی اور لغوی کے ملحوظ رکھنے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ اصل خدا کے ظہور جمال اور ظہور کمال کے احکام کا بیان کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ وہاں جمال اور کمال دونوں باعتبار معنی لغوی و عرفی پورے پورے ہیں جب یہ بات وہ نہیں ہو چکی تو اب یہ گذارش ہے کہ خدا کے یہاں بھی دونوں ظہور ہیں جمال کا حال اور ہونے کی کیفیت اور محل ظہور تو مفصل معلوم ہو چکی یعنی بیت التداویب للقدس میں بانو جبکہ انطباع صورت محبوبیت صورت حکومت ہے ظہور جمال خداوندی کا اقرار لازم ہے یا بخصوص خانہ کعبہ میں ظہور تو ہر طرح سے ظہور جمال ہی ہے کیونکہ وہ محل انطباع صورت جمیل ہے چنانچہ پہلے شرح معلوم ہو چکا کہ ظہور کمال ہر چند اسکے ثبوت کے مضامین بھی معروض ہو چکے ہیں مگر چونکہ بغرض اثبات ظہور کمال معروض نہیں تھے تو اب تصریح لازم ہوئی۔ شنبہ کر سکے یہ بات عرض کر چکا ہوں کہ مخلوقات میں جو کچھ ہے وہ خدا کی عطا کردہ وجود سے لیکر آخر تک کوئی صفت وجودی مخلوقات میں خانہ زاد نہیں مگر یہ ہے تو پھر تمام کائنات میں ظہور کمال خداوندی ہوا اتنا فرق ہو کہ بوجہ فرق قابلیت کہیں کسی صفت کا زیادہ ظہور ہو گا کہیں کسی صفت کا کم مثال مطلوب ہو تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یقیناً میں نہ آفتاب بلکہ آفتاب زیادہ آتا ہے اور آئینہ سے بھی آئینہ میں حرارت آفتاب زیادہ آتی ہے سو یہ فرق قابلیت

نہیں تو اور کیا سب کے لیے صفات آفتاب کے ظہور میں بوجہ فرق قابلیت یہ تفاوت ہی ہے ہی صفات خداوندی میں
 بھی بوجہ فرق قابلیت یہ تفاوت ہوتا ہے وہی بوجہ ہے کہ انسان میں علم و فہم اور حکمت کا نسبت تمام کائنات زیادہ ظہور ہے اور
 ملائکہ میں نسبت تمام مخلوقات قدرت کا زیادہ ظہور ہے یہ قصاں وجود میں جمیع جملہ صفات کمال سے چنانچہ پہلے عرض کر چکا ہوں
 تمام ممکنات میں ہی مساوی اللہ تعالیٰ میں جیسے شام کو کے اتصال میں جو جمیع نور و حرارت میں تشریف شیشہ وغیرہ شیشات و اجسام
 برابر ہیں اگر یہ فرق حائل کی طرح ہے تو کیونکہ مفعول یعنی موثر تو دونوں جگہ ایک ہی وہاں تمام اجسام میں شمع میں موثر میں بیان تمام
 ممکنات میں وجود موثر بجز اسکے کہ وہاں بھی اور یہاں بھی یہ فرق قابل کی طرح ہے ہوا کہ چھوڑ نہیں ہو سکتا باجمہ بوجہ فرق قابلیت مختلفہ
 صفات کمال خداوندی انسان میں علم اور ملائکہ میں قدرت نے زیادہ ظہور کیا اور اسلئے مشرف بخلاف حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام
 سے ملے ملائکہ کا بوجہ کمال کمالات علی یہ شرف ہمہ سزا آیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خلافت معاملات باہمی یعنی ان امور اختیار میں
 ہر کوئی ہے جو دوسروں سے تعلق رکھتے ہیں احوال فانی اور افعال لازمیہ میں یا ایسے افعال میں جن میں دوسروں کے تعلق نہ ہو خلافت
 اور نیابت کی گنجائش نہیں کیسی نے نہ سنا ہوگا کہ خورد و نوش بلبل و بزار و صحت و مرض و موت و حیات میں کوئی کسی کا خلیفہ بنا ہو
 حکومت و ہدایت و بیع و شراء وغیرہ معاملات اختیار میں ایک دوسرے کا خلیفہ ہوا کرتا ہے مگر یہ معاملات نہ علم متصور نہیں ہدایت کا
 علم پر موقوف ہونا تو جسے کہہ سب کو معلوم ہے یہی حکومت اگر بطور انصاف ہو تب تو قوانین کا علم اور تفسیر انصاف و ظلم چاہیے ورنہ اتنا
 علم لادبی ہو کہ کیا حکم دیتا ہوں اور کس پر حکم کرتا ہوں علی ہذا القیاس بیع و شراء میں نفع ہر کسی کو مقصود ہوتا ہے اور وہ جسے علم خرچ و
 تمیز اقسام بیع متصور نہیں اور حقوق بائع و مشتری کے معلوم ہونے کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے ان معاملات میں وہ شخص زیادہ
 مستحق خلافت ہوگا جو علوم ضروریہ میں اور فہم زیادہ ہوگا مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ جمیع معاملات اختیار یہ خدا اور بندہ کے بیچ من معاملہ ہوتا
 اور حکومت یقینی ہے اور پھر ان میں خدا وادی اور ظلم ہے اور بندہ گمراہ و طالب ہدایت اور محکم و مشلاشی احکام اور پھر اس کے ساتھ ضرورت خلافت
 اس سے زیادہ ہے جو بندوں میں باہم ہوا کرتی ہے یعنی ضلک ہر کسی کو رسائی نہیں اور دنیا کے مادیوں اور حکام تک ہر کسی کو رسائی
 ممکن ہے اگرچہ دشوار ہو پھر اس کے ساتھ اختیار توکیل و استخلاف اور وکیل نسبت خدا کو زیادہ حاصل ہے اسلئے نظر ہر کرم خداوندی عقل پر
 شاہد ہے کہ خداوند تعالیٰ احکامات نے ہم محتاجوں کی دفع ضرورت کے لئے بالضرورت ہدایت اور تنفیذ احکام کے لئے بڑے بڑے ذی علم کو اپنا
 خلیفہ مقرر کیا ہوگا مگر اور جو جو کرنا تو بین گمراہ کی طرف بوجہ وغیرہ علم احوال خلافت تمام فرشتے جنات انسان لکے سوا ہدایت نبی
 حیوانات میں بوجہ بے شعوری اور بے علمی ممکن خلافت خداوندی نظر نہ آیا لیکن فرشتوں اور جنات تک تو وہی خاصاتی موجود ہیں اسلئے
 یہی یقین ہے کہ خلفائے خداوندی لگے ہو گئے تو انہیں حضرت نبی آدم میں ہو گئے اور عرو کیا تو نبی آدم میں ہر قرن میں کا فرمایاں
 حکومت اور راہ نمایان ہدایت اپنے کام میں مشغول رہے ہیں اور بکثرت درجیان خلافت گذرے ہیں اسوجہ سے یہ یقین ہو گیا کہ یہ
 خلافت نبی آدم میں ہے تو بوجہ استحقاق خلافت یعنی علم بھی ان میں اور ان سے زیادہ ہوگا اور اس یقین کے لئے یہ خیال ہند بھی
 مسمیہ ہو گیا کہ باوجود مجموع ضرورت و حاجت و مشاغل کثیرہ ضروریہ وغیرہ ضروریہ علم میں نبی آدم نے ترقی کی ہے کہ اس سے زیادہ

نہیں اس عقل خدا و او کی بدولت کمونات ذات و صفات و اسرار احکام خداوند عالم کا پتا لگایا اور معلومات خود رکنا ملائکہ اور جنات کی ترقی علمی و مذہبی نہستی البتہ ان کے زور قدرت کے افسانے دیکھے نہیں تو سنے تو اس کثرت سے ہیں کہ گنجائش انکار باقی نہیں باخصوص ملائکہ کا محل تو کچھ نہ پوچھنا اخبار استیلاؤں دین انبیاء و صدیقین اس پر مطلق ہیں کہ احیاء و اموات محل عرش اعظم و تحریک اجرام علویہ و غیرہ اور عظام سب انہیں کے حوالے ہیں یہاں تک کہ بذریعہ نفع صور عالم کا برباد ہونا اور بھڑقانم ہونا بھی انہیں کے زور قدرت سے متعلق ہو اور ہر اپنی عقل و ارادہ کو دونا یا تو وہ بھی یہ خبر لائی کہ ممکنات یعنی مخلوقات میں جو کچھ ہو وہ خدا کا فیض ہے ہر اس طرح جیسے قالب میں مقلوب ہونا ہے چنانچہ اس مضمون کی طرف اشارہ بقدر کفایت پہلے گزرا تھا اور اس سے زیادہ نہ اہل فہم کو ضرورت نہ ان اوراق میں گنجائش اس صورت میں موافق قاعدہ قالب مقلوب چناؤ اور حل بھار ہو گا اتنا ہی اچھل کر آؤ ہو گا مگر آدھرو دیکھا اور ملائکہ سے صفات متغیرہ علم و ارادہ و قدرت و غیرہ کو متعلق پایا اور احوال ذاتیہ اور افعال لازمیہ غیر متعلقہ بالغیر کو صفات لازمیہ سے مربوط پایا چنانچہ حکومت و ہدایت و بیع و شرا و غیرہ معلومات اختیاریہ کے برتاؤ سے اور خورد و نوش و بول و براز و صحت و مرض و موت و حیات و غیرہ احوال و افعال لازمیہ غیر متعلقہ بالغیر کے مشاہدہ سے خود ظاہر ہو گئے صفات متغیرہ میں دیکھا تو علم کو سب سے اوپر اور سب پر حکم پایا اور مخلوقات میں باعتبار حاجت دیکھا تو انسان سب سے نیچے نظر آیا علم کا ارتقاع تو خود ظاہر ہی البتہ انسان کا انحطاط باعتبار خواجہ محتاج بیان ہو اسلئے یہ گذارش ہو کہ ملائکہ تو حاجات کے حساب سے ایسے ہیں کہ گویا کسی بات میں محتاج ہی نہیں نل و فرزند و نور و نوش و لباس و مکان گھڑا سواری اسباب اثاث البیت و غیرہ ضروریات میں سے کسی چیز سے سوکار ہی نہیں یہ جنات بوجہ نیرنگی ظہور و اختیار پر ہزار حرکات سرعہ و طاقت حمل و نقل باوجود احتیاج بہت سے اسباب سے غنی و مستغنی ان کے سوا جملہ آلات و علویہ ہوں یا سفلیہ سوائے موجود و وجودی ظاہر اور کسی کے محتاج نہیں اور نباتات کو دیکھا تو علو و علو و وجود و وجود میں کے بھی محتاج ہیں اور پانی کے بھی محتاج ہیں ہونے کے بھی محتاج حرارت آفتاب کے بھی محتاج غرض موافق باربعہ عناصر و اخلان چار ارکان خارجہ کی بھی انکو ضرورت ہو اور حیوانات کو دیکھا تو انکو ضرورت مذکورہ کی ضرورت تو تھی ہی اسکے ساتھ خورد و نوش کی ایک اور شاخ لگی ہوئی ہو یہ ہے حضرت انسان انکو دیکھا تو سب پر حاجت پایا چھ چیز کو دیکھتے زمین سے لیکر آسمان تک وہ سب انہیں کی کار بر رگی کے لئے جہاں زمین پانی ہوا آگ چاند سورج ستارے نباتات و حیوانات سب اسکے کام کے پر وہ کیسے کام کا نہیں زمین و غیرہ اشیا مذکورہ ہوں تو انسان کو زندگی و بال جان ہو جائے مرنے نہیں تو ناک میں دم آجائے پر انسان ہو تو کسی کا کچھ نقصان نہیں اور علم طبعی کی شرح و بسط پر نظر کیجئے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ نباتات و حیوانات تو درکنار اجرام علویہ و سفلیہ بھی اسکے لئے ہیں اس کثرت حاجات سے یوں نمایاں ہو کہ انسان سے زیادہ کوئی محتاج نہیں اور اس وجہ سے وہ اتنا نیچے گرا ہوا ہے کہ اس سے زیادہ نیچے اور کوئی نہیں اور خیر کوئی اور اس سے نیچے ہو کہ ہزار ہا جنات و جنات سے اسکا نیچے ہونا بیان تو درکار ہے حیوانات اور نباتات اور جمادات میں تو پہلے چھ چیز لکچکا ہوں کہ بوجہ نل علمی و اصناف شعوری لیاقت خلافت ہی نہیں مان ملائکہ اور جنات میں یہ لیاقت موجود ہے انہیں کی نسبت باعتبار حاجت کم و زیادہ ہونا درکار ہے تاکہ مطلب اصلی اس پر متفرع ہو سوائے

دونوں کی نسبت انسان کا اونچے میں زیادہ ہونا معلوم ہی ہو چکا جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ باعتبار احتیاج وہ ان دونوں سے نیچے گرا ہوا ہے علاوہ برین مادہ انسانی خاک سے اور مادہ ملکی نور پاک۔ رہے جنات وہ بھی آتشین ہیں انکا مادہ نور مصفا نہیں تو کیا ہوا آخر پھر نور ہے اور ظاہر ہے کہ مادہ انسانی کس قدر ان دونوں کے مابین سے گرا ہوا ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خاک کو سب سے نیچے جگہ ملی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مرتبہ اور مقام اعلیٰ میں ہو کوئی اپنے مادہ کا تابع ہوتا کہ استفادہ کمالات کے بعد اور دن سے بڑھ جائے۔ غرض مقام انسانی باعتبار اصل سب سے نیچے ہے اسلئے موافق باہدشت قاعدہ قیام و مقولہ یون خیال میں آیا کہ وہ صفت ایمین شکس ہوگی جو سب میں اوپر اور سب سے مستغنی ہو سہوہ کون ہی یہی علم ہی جو منجملہ صفات سمائیہ ہے اور سب سے مستغنی ہے اور سوا اسکے اور سب صفات معلولات اسکے نیچے اور انکی عقل کسی چیز کا علم نہ ہو سکا اور وہ بھی نہیں ہو سکتا اور قدرت بھی اس سے متعلق نہیں ہو سکتی اور علم کو ارادہ اور تعلق قدرت کی ضرورت نہیں چنانچہ یضون پہلے اس سے زیادہ عرض کر چکا ہوں بالجملہ علم میں انسان کا ذیل اول نظر آتا ہے اسلئے سخن خلافت خداوندی اسکے ہونے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور ہو تو کیونکہ ہوا اسکے سوا اگر نظر پڑتی ہو تو ملائکہ پر پڑتی ہو کیونکہ انکی اطاعت کی یہ کیفیت کہ سوائے اعتدال اور کچھ کام ہی نہیں اور زہد و تقویٰ کی یہ حالت کہ نبوت بعصمت پیشی چنانچہ ان دونوں مضمونوں پر آیت قرآنی لا یصلون اللہ ما یرحمون ویفعلون یا یومنون شاید ہی مگر یہ سب کچھ مسلم باخصوص بنقابیلہ بنی آدم جنکی شہرہ پشتیان عیان ہیں لیکن اسکو کیا کیجیے کہ ان سب کا حاصل کمال عبادت ہو اور عبادت منجملہ کمالات و صفات خالق نہیں بلکہ خواص مخلوقات میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ خلافت کے لئے مستخلف کا کمال و کمال ہو کہ ہوا ان علم البتہ صفت اولیٰ خداوندی ہو اور باہر نظر کہ سوا اسکے کوئی صفت منجملہ صفات متعلقہ بالغیر باعتبار تعلق قدیم نہیں ہوگا باعتبار تحقق قدیم ہوا اسکو اگر خاصہ خداوندی کہیے تو سچا ہو یعنی ارادہ شیت قدرت تکوین خدا کے حق میں قدیمی ہیں یہ مرادات اور اشارہ اور مقدمات اور مکونات کے ساتھ انکا تعلق قدیمی نہیں منہ عالم قدیم ہوتا چنانچہ ظاہر ہو اور علم قدیم ہو تو کچھ حرج نہیں بلکہ بعد غور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدیم نہ تو حرج ہوں متاکی کہ انہی تو شیخ نہیں کر سکتا ان اوراق میں اسکی گنجائش کہاں بہا اشارہ اجمالی کیے جاتا ہوں افعال اضیاء میں علم مراد کا سابق ہونا ضروری ہو مگر جب علم خداوندی افعال خداوندی سے مقدم ہوگا تو زمانہ سے اسکی سبقت خواہ خواہ مسلم ہوگی۔ کیونکہ جیسے انقلابات مکانی شمس و قمر کو اکب کو دیکھ کر ہم یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہر ہوز میں یا علویات مذکورہ متحرک ہیں مالاخر خود حرکت محسوس نہیں ہوتی ایسے ہی انقلابات عدم و وجود وغیرہ انقلابات زمانہ کو دیکھ کر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں بھی کوئی حرکت ہے جو یہ انقلاب ہے منہ انقلاب کی پھر کوئی صورت نہیں کیونکہ انقلاب منجملہ خواص حرکات ہو اگر حرکت کے ساتھ انقلاب مخصوص نہ ہوتا تو انقلاب حرکت کو نہ پہچان سکتے اور علم حرکات شمس و قمر وغیرہ کو اکب یا حرکت میں ہرگز نہیں ہوتا معنی جیسے اب ہمیں امل ہو کہ کون متحرک ہے خود حرکت میں ہی تامل ہوتا ہے انقلاب خواص حرکات میں سے ٹھہرتا تو پھر انقلاب زمانی یعنی انقلاب وجود عدم بھی ضرور حرکت پر دلالت کریگا اور وہ ایسی حرکت ہوگی کہ اس سے اوپر اور حرکت نہ ہوگی

کیونکہ وجود عدم سے اوپر کوئی مفہوم ہی نہیں سو ایسی حرکت وہی ہو سکتی ہے جو یوحنا ایجاد خداوندی یعنی افعال خداوندی سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ مخلوقات کا وجود عدم خدائی ایجاد و اعدام کی بدولت ہے مگر جیسے انقلاب مکانی حرکت مکانی پر دلالت کرتا ہے انقلاب وجود حرکت وجودی پر دلالت کرے گا اعلیٰ بذالقیاس جیسے حرکت مکانی میں ہر دم ایک بنا مکان آتا ہے حرکت وجودی میں ایک بنیاد جو آئینہ گاہی ہو کہ قبل حرکت محض عدم تھا اور بعد حرکت مذکورہ بھی محض عدم ہو جاتا ہے تو حرکت فی وجود ہی ہوگی جیسے حرکت عکس آئینہ میں منہ اگر مثل حرکت اصل ہو گئی تو لازم یوں تھا کہ جیسے قبل حرکت مکانی بھی مثلاً متحرک کسی مکان میں تھا اور بعد انتہا حرکت بھی کسی مکان ہی میں ٹھہرتا ہو جیسے ہی بیان میں قبل حرکت اور بعد حرکت وجودی ہو گئی اور بعد حدث قدم تھا غرض معلومات خداوندی یوحنا جو ایک مادہ آئینہ وجود کے مقابل اگر آئینہ منعکس ہو جاتا ہے میں اور بعد زوال انعکاس ہو قوت ہو جاتا ہے اور اسلئے وجود سے کچھ سرور کا نہیں رہتا بلکہ حرکت مذکورہ سبب میں اوپر ہی اور نہ زانہ کو دیکھا تو آئینہ ایسا تجرید یا جسکے اوپر اور تجرید و نظر نہیں آتا بلکہ اور تجریدات یعنی حرکات اسکے محتاج ہیں اسکے اس علوم مراتب سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ وہی حرکت ہے جو تحریک مادہ الہی سے مسافت وجود میں پیدا ہوتی ہے کیونکہ نہ اس حرکت کے اوپر کسی حرکت نہ اس مسافت اسلئے حرکت فیما بین یعنی تجرید فیما بین محول مذکورہ مسافت مذکورہ بھی وہی تجرید ہوگا جس سے اوپر اور تجرید یعنی حرکت نہادہ چونکہ وہ حرکت ہمارے وجود میں موجود ہے تو ہم کو یہ معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اب اتنی دیر ہوئی اور اب اتنی منہ زانہ جیسے غیر محسوس چیز کا پتا لگنا معلوم گریب زانہ اس حرکت کو قرار دیا جو تحریک مادہ الہی سے پیدا ہوتی ہے تو لا جرم علم سے زانہ متاخر الوجود ہوگا اور اسلئے نسبت علم خداوندی اس بات کے کہنے کی گنجائش نہ ہوگی کہ اتوقت میں تھا اور اتوقت میں نہ تھا بلکہ خواہ مخواہ یہ بات مسلم ہوگی کہ جیسے ذات خداوندی قدیم ہے جیسے ہی علم بالفعل خداوندی بھی قدیم ہے اس تقریر میں اس مضمون کے یاد کرنے سے کہ ہر دم بنیاد وجود آتا ہے جیسے مسئلہ تجرید و امثال حل ہو جاتا ہے ایسے ہی زانہ کی حرکت لادوی ہونے سے اسکے حدث کا یقین ہو جاتا ہے کیونکہ حرکت لادوی ایجاد ہی جیسے یہ ضرور ہے کہ اول عدم تحركات یعنی مخلوقات ہو ایسے ہی یہ بھی ضرور ہے کہ اول وہ حرکت ہو جس کا حامل ہوگا کہ زانہ جانب بھی میں غیر فانی نہیں ممتنا ہی ہو گریب یہ دیکھا جائے کہ یہ مانع انتہا کی جانب میں نہیں ہے تو یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل کی جانب میں لافنا ہی ہوگا یا نیوچہ کہ وجہ ضرورت نہیں استمرار دلالتا ہی استقبال کو ضروری بھی نہیں کہہ سکتے اور جب خیال کیا جائے کہ موجود ہوا محال علم بالفعل قدیم خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہ قدم وجہ ضرورت ایجاد ہے سو سو خالق اور موجود ہی کون ہے جو اسکا علم قدیم ہو اور سوائے علم نجلہ صفت معلومات اور کوئی صفت ایسی نہیں کہ بالفعل ہو کر قدیم ہو اسلئے یوں ہی کہنا پڑے گا کہ علم بالفعل قدیم خاص خدا کی صفت ہے اور اسلئے بھی غلیفہ خداوندی میں اسکا ہونا ضرور ہے کیونکہ خلافت کو ضرور ہے کہ جسکا خلیفہ ہو اسکا کمال آئینہ ہو ہی وجہ ہے کہ مکتوب اور سیمون اور خاقان ہون اور اکھاڑوں کی خلافتوں میں اس نظر ہوتی ہے کہ کون شخص اپنے استاد پر کے کمال میں اپنے اقران و امثال سے ممتاز ہو بلکہ خلافت خداوندی اسکا حصہ ہے جو علم میں اور

سے ممتاز ہو سو یہ بات سوائے حضرات انسانی اور کسی دین نظر نہ آئی اسلئے باوجود شہرہ نشینی و ظہور و جہول ہونیکے یہ دولت انکے حصہ میں آئی مگر جب یہ خلیفہ اور قائم مقام خداوندی ہوئے تو جیسے جانشینان شاہی کے لئے بعد جانشینی آداب ہی بجالانے ضرور ہوتے ہیں بالخصوص انکے ذمے جنگی طرف تہمت بخلاف و بغاوت بھی ہو ایسے ہی جانشینان خداوندی کے لئے آداب خداوندی چاہئیں خاصکر ان صاحبوں کو جنگی طرف سے خلافت خلیفہ میں رخصاندازی ہو چکی ہو سو حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت میں تو حضرات ملائکہ کو کلام تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خلافت میں برادران یوسف علیہ السلام کو گفتگو تھی اسلئے لازم ہوا کہ حضرات ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ خلافت کریں تاکہ وہ انکا سبیل باقرار ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ گو حضرات ملائکہ معصوم ہیں اور حضرات انسانی سر پائے گناہ مگر چونکہ وہ مظہر قدرت ہیں اور مظہر علم چنانچہ آیت و علم آدم للاسماء کلہا اسپر شاہد ہے اور قدرت منجملہ تالیع علم ہے اسلئے ملائکہ کو لازم ہے کہ نسبت حضرات انسانی منقاد اور کاندہ ہو کر زمین چنانچہ واقفان قرآن و حدیث کو معلوم ہو گا کہ انسان کے تمام کار و بار ملائکہ کے سپرد ہیں اور یہ مناسب ہوا کہ برادران یوسف علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں تاکہ وہ سرکشی اور بغاوت میں ل نہ پڑیں اور اطاعت ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ہر خدیو برادران یوسفی صاحب ثوار و برکات ہیں مگر حضرت یوسف علیہ السلام کچھ اور ہی چیز ہیں وہ علم اور اسکی قبولیت اور فطرت جبریت و کائنات عَجَّتْ رَبِّكَ وَفَعَلَتْ مِنْ تَاوِيلِ الْاَحْكَامِ اور آیت وَفَعَلَتْ رُجُاجًا مِّنْ نَّشَاءٍ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ اور آیت فَلَمَّا بَلَغَ اَشَدَّ اَلْسِنَاهُ اَعْلَمَ مَا دَلَّتْ كَرْتِي ہر انہیں کے ساتھ مخصوص ہے بالجملہ مسجودیت آدمی اور مسجودیت یوسفی وہ حق خلافت خداوندی ہے اور خلافت خداوندی شمرہ علم اسلئے وقت سجدہ برادران یوسف علیہ السلام و ولدین یوسف علیہ السلام کو بھی گرا کر گواہی سے واجب الا و ابوجہ سرکشی سابقہ فقط برادران یوسف علیہ السلام ہی پر تھا اس تقریر سے جیسے شرف عالم معلوم ہوا اور یہ معلوم ہو گا کہ عالم ربانی اگر مصدر خطا بھی ہو تب بھی عباد و زاد سے افضل اور انکا افسر ہی رہتا ہے چنانچہ موانہ احوال آدمی و احوال ملائکہ سے خود ظاہر ہو ایسے ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سجدہ آدمی اور سجدہ یوسفی سجدہ خلافت تھا سجدہ عبادت نہ تھا جو منجملہ شرک اسکو قرار دیا جائے اور بت پرستی کو اسکے برابر کر دیا جائے ان تبون میں لیاقت خلافت ہوتی تو یہ بھی احتمال تھا کہ اول حکم ہوا سے حقوق خلافت ہو گا کم فہم اسکو بوجہ تشابہ عبادت سمجھ بیٹھے مگر اسکو کیا کیجے کہ تبون میں لیاقت عبادت تو نہ کند لیاقت خلافت معبود بھی نہیں عدم لیاقت مسجودیت تو انکی اس سے ظاہر ہو کہ نہ وہ محبوب اصلی اور نہ مالک اولی یہ دونوں باتیں خدا کے ساتھ مخصوص ہیں بلکہ تبون میں تو محبوبیت حقیقی اصلی اور حکومت اولی تو درکنار محبوت مجازی عرضی اور حکومت ماتحتی بھی نہیں بلکہ اس ساختگی صنم سے یوں ظاہر ہو کہ قصہ برعکس ہے یعنی تقریر گذشتہ سے واضح ہو چکا ہے کہ بنا حکومت اختیار لفع و ضرر پر ہے اور بنا بندگی احتیاج پر سو تبونکو دیکھا تو محتاج بت پرستان پایا صورت و شکل و حرکت و سکون اصنام سب بابلان صنم کے اختیار میں ہے یہی خلافت اسکی لیاقت کا عدم انکی بے شعوری سے ظاہر ہے خلافت کے لیے علم و کار ہی جہان عقل و شعور و حسن عا داک نہ وہ ان خلافت خداوندی ہو تو کیونکر ہو اس پر

ہو گئی کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں ایک سجدہ عبادت دوسرے سجدہ خلافت اور ان دونوں میں سجدہ ساجد سجود
 ہے کہ سجدہ عبادت میں جو کوئی مسجود ہوتا ہے وہ مسجود حقیقی ہوتا ہے اور مسجود بالذات اور سجدہ خلافت میں جو کوئی
 مسجود بالعرض اور مسجود مجازی رکاعہ و بیت المقدس وہ نہ مسجود حقیقی ہے نہ مسجود مجازی البتہ مسجود الیہ کہیے تو
 میں ساجد و مسجود حقیقی یعنی عکس تجلی ربانی واقع ہوتا ہے اب بیات باقی رہی کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ
 علیہ وسلم کے علوم کے منبع العلوم اور خطاب و علمک عالم تکمیل و کان فضل اللہ علیک علیما کے مخاطب ہیں مسجود کیون
 متعلق خاتیت سے یہ معلوم ہوا تھا کہ علم میں کوئی ہم پایہ خاتم نہیں ایسے ہی آیت و علمک عالم تکمیل سے بھی
 یہ اس دولت میں کوئی شخص آپکا ہم پلہ نہیں اول تو عالم تکمیل تقسم میں اس جانب اشارہ ہے کہ سرحد طلب سعی
 حضرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی ہے آیت و علم آدم الاسما اور آیت و علمک من تاویل الاحادیث یا آیت و علمک
 یہ وہ میں یہ بات کہان دوسرے ضمیمہ و کان فضل اللہ علیک علیما کے اس عنایت کو اور بھی دور پہنچا دیا اس صورت
 تھا کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام جو ملائک سے تھے تو آپ مسجود و خلائق ہوتے حضرت یوسف اگر مسجود و برادران
 بیان ہوتے اسلئے یہ گزارش ہے کہ بیشک بمقتضا سے وسعت علم حضرت رسول عربی خلیفہ اول خداوندی ہیں۔ اور
 ہے من طیع الرسول فقد اطاع اللہ مگر اول تو سجدہ خلافت حق خلیفہ ہے حق خداوندی نہیں جو خواہ مخواہ خلیفہ
 کرنا ضروری ہو اور حضرت یونس سابق سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس سجدہ غیر کی بدولت کم فہمون نے عابد و مملوک و معبود
 سمجھ لیا تھا سو کچھ تو اسلئے بمقتضا سے احتیاط یہ ہوا کہ آپ اس سجدہ کو قبول نہ کریں اور کچھ بوجہ کمال حدیث یہاں
 بخوش نہ آئی اس صورت میں اگر فرض کرو خدا کی طرف سے اجازت بھی ہو اور وجوہ استحقاق سے ظاہر ہے کہ بیشک
 بلہ فرض کرو خدا کی طرف سے حکم قبول ہو تب بھی آپکا سجدہ کو قبول نہ کرنا اگر ہو گا تو ایسا ہو گا جیسا کہ سکاوالہ
 بپوشنے کو کہے اور وہ بوجہ ادب اسکو قبول نہ کرے سو جیسے یہ نافرمانی ہزار فرمانبرداری سے بڑھ کر ہے ایسے ہی
 اللہ علیہ وسلم کے انکار کو سمجھے دوسرے بوجہ خند اندازی ملائکہ اور کشتی برادران یوسف علیہ السلام سجدہ ملائکہ اور سجدہ
 علیہ السلام ضروری نظر آیا تاکہ انکی اس رفعت شان کے بعد جو انکی ملکیت اور عصمت اور انکی نبوت اور اخوت
 یہ انکار سو ہم ظلم اور ناحق شناسی نہ ہو کوئی کم فہم یہ نہ سمجھے کہ بے سوچے سمجھے جو پانا کہہ دیا بتو سجدہ سے ہر کوئی
 جو کچھ ہوا بجا ہوا سوچ سمجھ کر کیا ہو لین ہی اندھا دھند قصہ نہیں علاوہ برین ہمسردگی کشتی کے بعد انکا ملکا
 ہی ہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں سے قدیم زمانہ میں بیعت کا دستور تھا اعداب نذر و نیا مقرر ہے سو ملائکہ اور برادران
 لام کی طرف تو وہ ہم ہمہ سہری ہو سکتا ہے حضرت رسول عربی کے سرکشوں میں سے ایسا کون تھا کہ باعتبار کمالات
 ہم ہمہ سہری ہو سجدہ سے اسکی تلافی کیجاسے علاوہ برین بھی کو اظہار کی حاجت ہے اور جس چیز کی خبر نہ ہو اسکے اعلا
 جو چیز مثل کتاب نیمہ زرخشن ہوا کے اظہار کا فکر ایسا ہے جیسے دیا آفتاب کے لئے چراغ روشن کیجئے اور مثل

خوبی محبوب علم فربہ جسکی فضیلت کی دھوم ہو اسکے اعلان کا خیال ایسا ہی جیسا اشتہار یوسفی کے لئے منادی کرانی جا
حضرت آدم علیہ السلام اور ملائکہ میں لگ فرق تھا تو ایسا تھا جیسا اہل قلم و اہل سیف میں ہوتا ہی بکری میں لیک جبری فضیلت
ہوتی ہو اور بکری میں لیک جبری خوبی اور اسلئے ہر کسی کو گناہیں باسد عہدہ گورنری ہی اور حضرت یوسف اور برادران یوسف
علیہ السلام میں لگ فرق تھا تو ایسا تھا جیسا باہم شاہزادوں میں ہو کرتا ہی ہر کسی کو آرزوے و یو جبری اور دعوی تخت ہوتا
ہو اور اسلئے باہم بغض اور حسد ہو کرتا ہی چہ حضرت محمدؐ کوئی اور سوانح کے اور کامیوں میں لگ فرق ہی تو ایسا ہے جیسا محبوب شاہی
اور خادم بادشاہی میں ہو کرتا ہی جہاں جیسے خدم کو خیال ہمسری محبوب نہیں ہو کرتا ایسے ہی مقابلہ رسولؐ کی اگر انبیاء
کے رشتہ بھی ہوتے تو انکو ہوں مساوات نہوتی چہ چائیکہ طبعان امتیان کم رتبہ اور ہو تو کیونکر ہو قمر کو کلب کو بھی کہیں خیال
ہمسری آفتاب عالیاں ہو سکتا ہی ہوئے حضرت خاتم جو کوئی ہو ملائکہ ہو یا جنات یا بنی آدم یا سوا انکے اور مخلوقات کے سب
کمال علی بن علی میں دیکھ کر دلت اسدی بن چنانچہ پہلے عرض کر چکا ہوں اور پھر بطور دیگر عرض کرتا ہوں یہ مضمون پہلے
تقریر ناظرین اوراق ہو چکا ہے کہ علی بن ابی طالب نے صفت کمال اور مبداء مبادی جمال و جلال ہو اور حضرت خاتم اس تجلی کے
حق میں بمنزلہ قالب سلا مطابق ہیں ایسے اور مراتب یعنی صفات صادرہ کے توالب کو قالب تجلی اول کے ساتھ وہی نسبت
ہوگی جو صفات صادرہ کو تجلی اول کے ساتھ اور ایسے یہ کہنا پڑیگا کہ جیسے تجلی اول عالم و جوب جو میں حقیقہ الحقائق ہی ایسے
ہی قالب تجلی اول عالم امکان جو میں حقیقہ الحقائق ہی اور ایسے ملائکہ ہوں یا جنات بنی آدم ہوں یا حیوانات کمال علی
و علی بن ابی طالب حضرت خاتم کے دست نگر ہونگے جیسے قمر کو کلب دست نگر آفتاب اور ایسے قمر کو کلب میں بوجہ اشتراک
دست نگر اگر باہم نزاع و خلاف ہو تو ہو مگر آفتاب کے ساتھ کسی کو خیال جمال ہمسری نہیں مگر یہ ہی تو بھلا ہے ہی سوا خاتم
اور نہیں اگر بوجہ خیال خواجہ ناشی نزاع و خلاف ہو تو ہو مگر حضرت خاتم کے ساتھ کسی کو خیال جمال ہمسری نہیں ہو سکتا اور
ایسے نہ کیونکر کرنے کی حاجت جو ارشاد مجددی کی نوبت آئے اور نہ ہم خطابہ مخبری ہو انہما دعا اعلان کے لئے اور اسے
آداب خلافت کی ضرورت ہو انحضرتؐ اور انحضرتؐ آداب خلافت کی ضرورت نہ تھی اور ادھر کمال عبودیت کی وجہ سے
یہ تشابہ ظاہری عہدہ وجود حضرت خاتم کو پسند نہ آیا ایسے نہ اور ہر سمت کے نام پر وہ اداسے سجدہ خلافت آیا اور نہ ادھر
سے اپنے سجدہ خلافت کو پسند فرمایا پھر اسکے اس قسم کے تشابہ کی وجہ سے جو کچھ خرابیاں بوجہ ہم نہی جہاں عالم میں
واقع ہوئیں انہیں انکے اندر کی تدبیر ضروری تھی ایسے قطعاً اپنے اس سجدہ کی مانع فرمائی اسکے بعد جہاں کہیں
اس قسم کے سجدہ کی نوبت آئی وہ نقطہ اسی بنا پر تھا کہ سجدہ خلافت سجدہ عبادت نہیں جو شرک حقیقی ہو اور ادھر اتنی دور اندیشی
نہ تھی جتنی نصیب حضرت خاتم ہوئی اور نہ وہ کمال عبودیت تھا جو حضرت خاتم میں تھا نہ جس کی نے اسکو روا رکھا ہو مگر کچھ
خاص کہ جب یہ خیال کیا جائے کہ ملائکہ نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تو بوجہ کمال معرفت انکی طرف احتمال خیال شرک نہ تھا
اور برادران و والدین یوسف علیہ السلام نے اگر سجدہ کیا تو بوجہ کمال نبوت انکی طرف یہ گمان تھا اور پھر جو کچھ تھا

بقدر ضرورت تھا امتیون سے گریہ ضرورت پیمانہ ضرورت سے لازمہ فعل ظہور میں آیا تو دیکھیے کیا پیش آئے یہاں تو نہ وہ کمال معرفت ہو نہ وہ کمال نبوت ہے قصہ یہ سجدہ اب بیشک مسوائے شرک سے ادا کیلئے ہرگز آجکل قابل اجازت نہیں البتہ جیسے ملائکہ اور انبیاء پر گنجائش اعتراض نہیں اکابر امت پر بھی ایسوجہ سے اعتراض مناسب نہیں وجہ جواز دونوں جگہ مشترک ہے یہ تقریر تو موافق ظاہر حال تھی اب وہ بات بھی عرض کرنی مناسب ہے جسکو شکر اہل فہم سجدہ خلافت کے نہونے سے خدا بھی غلام مردم ناخردیہ حضرت خاتم نبیائیں اہل فہم کو یہ تو پہلے ہی معلوم ہو گا کہ حکومت میں خلافت اور نیابت کی گنجائش ہے اور محبوبیت میں خلافت اور نیابت کی گنجائش نہیں اوس پہلے لکریہ مضمون اسوجہ سے نہ سمجھتے ہوں کہ بخلاف ظہور مضمون نہ اسکی وجہ عرض نہ کی تھی تو اب سمجھتے یہ بات سب جانتے ہیں کہ بنا حکومت اختیار نفع نقصان پر ہے اور یہ اختیار اور ونگوٹ سے سکتے ہیں یہاں تک کہ تک سلطنت کر کے اسکو حلال کر سکتے ہیں اور بنا محبوبیت جمال و صورت پر ہے اور جمال اور صورت اور ونگوٹ نہیں دیکھتے اور ظاہر ہے کہ اختلاف اور توکیل انہیں امور میں متصور ہے جن میں امثال اور فقیہ متصور ہو حکومت تو بیشک قابل انتقال ہے ایک حاکم کے بدلے دوسرے حاکم آسکتا ہے اور ایک حاکم کے نیچے بیس حاکم کر سکتے ہیں یہ پہلی صورت میں انتقال ہے اور دوسری صورت میں تعدی مگر صورت اور جمال صورت ہرگز قابل انتقال و تعدی نہیں نہ مثل حرکت دست جو مختل ہو کر کلچ میں چلی جاتی ہے ایسی طرح قابل انتقال ہے کہ محل اول میں اور محل ثانی میں چلی جائے اور نہ مثل حرکت سفینہ جو جالین تک تعدی ہو جاتی ہے ایسی طرح لایق تعدی کہ محل اول میں بدستور ہے اور پھر دوسرے محل تک پہنچ جائے اسلیے خلافت محبوبیت کی کوئی صورت نہیں اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر خلیفہ ہوتے تو وہ گاہ محبوبیت ہی کے خلیفہ ہوتے کیونکہ آپ اگرچہ ہیں تو بمقابلہ مرتبہ محبوبیت عبد بن ادا اسوجہ سے آپ بمنزلہ ملائکہ اور انبیاء بان دو گاہ محبوبیت ہیں باقی را مرتبہ حکومت اگرچہ آپ کو اسکی بندگی سے استنکاف نہیں اور کیونکہ آپ کا مال مال زیر حکم مرتبہ حکومت تھا پر مقابلہ عبدیت اور محبوبیت مرتبہ حکومت کی ماتحتی ایسی ہے جیسے کرنی کسی کلکٹری اور تحصیل کا رہنے والا اور مالک مالگند کسی محکمہ بالائی کا ملازم ہو اس ملازم کی قائم مقامی اگر متصور ہے تو اسی محکمہ بالائی کی نسبت متصور ہے کلکٹری اور تحصیل کی طرف سے متصور نہیں الغرض جیسے ملازم مذکور محکومیت کلکٹری و تحصیل ملازم مالگندہ دن اور ماؤس کلکٹری کے رہنے والوں سے کم نہیں بلکہ در صورتیکہ زیادہ کمیوٹ رکھتا ہو کچھ زیادہ محکوم ہو گا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بانوجہ کہ آپ سر دفتر مکان ہیں اور عالم امکان تمام ہاں رخصت مرتبہ حکومت ہے سب میں پہلے اور سب سے زیادہ سر زیر بار حکم مرتبہ حکومت رکھتے ہیں مگر جیسے ملازم مذکور کی ترقی اور قائم مقامی اگر متصور ہے تو اسی محکمہ بالائی سے ملنے کی طرف سے متصور ہے جسکا وہ ملازم ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت اگر متصور تھی تو مرتبہ محبوبیت کے خلاف متصور تھی جسکے آپ ملازم تھے مگر اسکو کیا گئی کہ وہ ان خلافت متصور ہی نہیں اب اگر آپ کو خلیفہ بنا جائے اسوجہ سے آداب خلافت آپکے لئے ادا کیے جاتے تو سوا کے اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ آپ بعد ترقی تنزل میں آتے